# نگار

# قواعد رسالہ "نگار"

۱ رسالہ ہر مہینے کی پندرہ تاریخ سے پہلے شایع ہوتا ہے

۲ رسالہ نہ پہونچنے کی صورت میں بیس تاریخ تک دفتر کو اطلاع ہونی چاہیئے ورنہ رسالہ مفت نہ روانہ کیا جائیگا

۳ خط کتابت کے وقت اپنا نمبر خریداری ضرور لکھیئے - جنپر نمبر خریداری نہیں ہوتا ایسے خطوط ضایع کردئے جاتے ہیں

۴ جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا ضروری ہے

۵ مضامین صاف اور خوشخط آنے چاہیئے

۶ سالانہ قیمت پانچ روپیہ - ششماہی تین روپیہ - بیرون ہند سات روپیہ سالانہ پیشگی مقرر ہے

## نرخنامہ اجرت اشتہارات

| تعداد صفحہ | یک صفحہ | نصف صفحہ | پاؤ صفحہ |
|---|---|---|---|
| بارہ مرتبہ | ۱۰۰ روپیہ | ۶۰ روپیہ | ۴۰ روپیہ |
| چھ مرتبہ | ۶۰ روپیہ | ۳۵ روپیہ | ۲۳ روپیہ |
| تین مرتبہ | ۳۵ روپیہ | ۲۰ روپیہ | ۱۲ روپیہ |
| ایک مرتبہ | ۱۲ روپیہ | ۸ روپیہ | ۵ روپیہ |

(۱) اجرت ہر حال میں پیشگی آنا ضروری ہے (۲) جو صاحبان تین ماہ سے زائد اشتہار دیں گے اُن کو بیس فیصدی کمیشن دیا جائیگا (۳) میعاد اشتہار کے اندر دو مہینے قبل اطلاع دینے پر مضمون بدل سکتا ہے


# نگار بُک ایجنسی لکھنؤ

### نگارستان
(دوسرا اڈیشن)

حضرت نیاز کے ادبی متعدد مضامین اور افسانے شامل کئے گئے ہیں نگارستان نے ملک میں جو درجہ قبولیت حاصل کیا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اسکے متعدد مضامین غیر زبانوں میں منتقل کئے گئے -

قیمت ... عمر

### گہوارۂ تمدن

(دوسرا اڈیشن) مولانا نیاز کی وہ معرکۃ الآرا کتاب جسمیں تاریخ اور اساطیر سے ثابت کیا گیا ہے کہ ارتقاء تمدن میں عورت نے کتنا زبردست حصہ لیا ہے اور دنیائے تہذیب و شائستگی اسکی کس قدر ممنون ہے - اردو میں بالکل پہلی کتاب ہے قیمت علاوہ محصول ۱عہ

### شہاب کی سرگزشت

حضرت نیاز کا وہ عدیم النظیر افسانہ جو اردو زبان میں بالکل پہلی مرتبہ سیرت نگاری کے اصول پر لکھا گیا ہے - اس زبان کی اعلیٰ تخئیل اسکی نزاکت بیان، اسکی بلندی مضمون و اسکی انشاء عالیہ سحر حلال کے درجہ تک پہنچی ہے قیمت علاوہ محصول عہ

### فراست الید

مولفہ نیاز فتحپوری جس کے مطالعہ سے ایک شخص آسانی ہاتھ کی شناخت اور اسکی لکیروں کو دیکھکر اپنے یا دوسرے شخص کے مستقبل، سیرت عروج و زوال موت و حیات صحت و بیماری شہرت و گمنامی وغیرہ کے متعلق صحیح پیشین گوئی کر سکتا ہے قیمت علاوہ محصول عہ

### شاعر کا انجام

جناب نیاز کے عنفوان شباب کا لکھا ہوا افسانہ حسن و عشق کی تمام لذت بخش کیفیات اسکے ایک ایک جملہ میں موجود ہیں علاوہ محصول ۱ر

### جذبات بھاشا

جناب نیاز نے ایک مبسوط تمہید کے ساتھ بہترین ہندی شاعری کے نمونے پیش کئے ہیں اور انکی تشریح کی ہے دل اچھا ہو جاتا ہے قیمت علاوہ محصول ۱۲ر

### صحابیات

جسمیں عہد رسالت کی ۸۰ خواتین کے مستند حالات یکجا کر دئے گئے ہیں اسکا مقدمہ مولانا نیاز کا خاص اپنی انشاء میں لکھا ہے قیمت علاوہ محصول عہ

### تذکرہ خندۂ گل

مولفہ عبدالباری آسی جسمیں ۳۰۰ سے زائد فارسی ظریف مزاح شعراء کے حالات مع انکے لطائف و ظرائف و نتیجہ کلام کے درج ہیں قیمت علاوہ محصول ۱عہ

بسم اللہ

# نگار

جلد ۱۹ فہرست ماہ مارچ سنہ ۱۹۳۱ء شمارہ (۳)


ملاحظات ——— ۲

مطالعۂ حدیث بتنقید صحیح کی روشنی میں (حق گو) ۹

زائرہ کی محبت ——— (طالب باغپتی) ۳۳

رباعیات باباطاہر عریان ——— (حامد حسن قادری) ۴۱

شجاع حیدری ——— (سید حسن برنی) ۴۸

آخری اردوس کا حشر ——— (مرزا فرحت اللہ بیگ) ۵۸

سید سلیمان ندوی سے ——— (سید مقبول احمد) ۶۹

ریاض آپ اپنے آئینہ میں ——— (ریاض) ۷۴

باب الاستفسار ——— ۸۴

ستارہ (نظم) ——— (محمود اسرائیلی) ۸۹

مقصد ہستی (نظم) ——— (فرخ بنارسی) ۹۰

گریۂ خضر (نظم) ——— (شمیمی) ۹۱

غزل ——— مشتاق الہ آبادی ۹۳

معارف (نظم) ——— (امین حزیں) ۹۴

غزل ——— نظیر لدھیانوی ۹۴

گناہ اور محبت (نظم) راشد وحیدی ایم-اے ۹۵

غزل ——— اصغر شاہجہانپوری ۹۵

نمود صبح (نظم) ——— ریحانی اعظمگڈھی ۹۶

غزل ——— شاد صابری ۹۶

# نگار

اڈیٹر: نیاز فتحپوری

جلد ۱۹　مارچ سنہ ۱۹۳۱ء　شمارہ (۳)


# ملاحظات

جز سخن کفرے وایمانے کجاست
خود سخن در کفر وایماں می رود
(غالب)

جو شخص مذاہب کی حقیقت، اختلاف مسلک و کیش کی اصلیت اور امتیاز رسم وراہ کی معنویت سے باخبر ہے اور جو اہلِ نظر اس رمز سے آگاہ ہیں کہ انسان کا اگر کوئی ہدف پرستش ہو سکتا ہے تو وہ صرف "انسانیت کبریٰ" ہے جسکو قائدین مذاہب نے مختلف ناموں مختلف صورتوں اور مختلف لہجوں میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔ وہ موجودہ نزاع کفر وایمان پر اگر کوئی صحیح رائے رکھ سکتے ہیں تو یہ صرف وہی ہو سکتی ہے جسے غالب عرصہ ہوا ظاہر کر چکا ہے کہ

جز سخن کفرے وایمانے کجاست
خود سخن در کفر و ایماں می رود

اب آیئے واقعات کی دنیا میں، مشاہدات کی فضا میں، اس حقیقت پر غور کیجئے کہ اگر مذہب واقعی کوئی مستبد حکمرانی نہیں ہے، کوئی نفسی و ذاتی خود غرضی نہیں ہے اور اگر مذہب کی غایت دنیا میں اصلاح و تہذیب، اشاعت امن و سکون کے علاوہ کچھ نہیں، تو پھر تاریخ مذاہب کیوں خون سے رنگین نظر آتی ہے اور دنیا کے تمام لٹریچر سے زیادہ مذہب کا لٹریچر

کیوں ظلم کی داستانوں سے لبریز ہے۔ کیا سبب ہے کہ دنیا میں جسقدر مذہبی تقشف بڑھا، انسانیت گھٹی، جسقدر مذہب کا اقتدار قوی ہوتا گیا انسان میں اسی اعتبار سے درندگی بڑھتی گئی۔ کیا یہ دلیل مذاہب کی لغویت میں پیش کیجا سکتی ہے۔ کیا اس تلخ حقیقت سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ دنیا میں مذاہب کا وجود نقصان رساں ہے؟ ممکن ہے ایک سطح بین یہی سمجھے، لیکن زیادہ عمیق نگاہ جان سکتی ہے کہ جب مذہب خود اس دعوے کو ساتھ لیکر آتا ہے کہ وہ دنیا سے ظلم و ستم اور وحشت و درندگی کو محو کر دینے والا ہے تو پھر کیونکر اس کا وجود ہمارے لئے مضرت رساں ہو سکتا ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ ہماری تلخ کامیاں ہماری مصیبتیں اور پریشانیاں حقیقتاً مذہب سے متعلق نہیں ہیں، بلکہ عدم مذہب سے وابستہ ہیں یعنی اُن ہستیوں سے جو مذہب کی اوٹ میں، ایمان و اصلاح کے بہانہ سے تبلیغ امن و سکون کے پردہ میں مذہب کے وجود کو محو کر کے لامذہبیت، اصلاح و شائستگی کو تباہ کر کے۔ جہل و تخریب اور امن و سکون کو برباد کر کے قتل و خونریزی کی بنیاد ڈال رہی ہیں، اُنھوں نے ہمیشہ مذہب کی صحیح تعلیم کو چھپایا، انھوں نے مطالعۂ مذہب کی طرف سے لوگوں کو غافل رکھا اور اُنھوں نے کبھی گوارا نہ کیا کہ لوگ خود اصول مذہب کو سمجھ کر ان پر کاربند ہوں۔ انھوں نے بجائے خدا کے اپنی پرستش کرائی اور عبادت گاہوں میں جہاں صرف خدائے قدوس کا ذکر ہونا چاہئے تھا۔ اُنھوں نے اپنے بُت قائم کئے اور لوگوں کے سروں کو اپنے سامنے جھکا کر قدرت اور قانون قدرت کیطرف سے دنیا کو غافل بنا دیا۔

انھوں نے یہ تعلیم دی کہ مذہب نام ہے صرف اُس چیز کا جسے وہ بتائیں، اور نجات کا راستہ وہ ہے جو وہ دکھائیں، پھر اُنھوں نے ہمیشہ مذہب کے نام سے اس چیز کو دکھایا جو تمامتر طاغوت و شیطان سے متعلق تھی۔ اور طریق نجات کے بہانہ سے ہمیشہ وہ راہ پیش کی جو نکبت و ذلت تباہی و بربادی کے گڑھے میں ڈھکیل دینے والی تھی۔

پھر جس طرح تمام مذاہب کی تاریخ میں ایسے بندگانِ نفس و غرض پائے جاتے ہیں، اسی طرح اسلام بھی ان سے خالی نہیں رہا، اور اس جنس کی پیداوار آج نہیں بلکہ اُسی وقت سے شروع ہو گئی، جب رسول کے بعد ہی مذہب و امامت کو دنیاوی ملکیت سمجھ کر ہمارے اکابر باہمد گر دست و گریباں نظر آنے لگے۔ اغراض ذاتی کے لئے احادیث وضع ہونے لگیں اور رفتہ رفتہ حکومت نے ایک جماعت ایسے لوگوں کی پیدا کی جو پیش تو کئے گئے قائدین مذہب کی حیثیت سے لیکن فی الحقیقت وہ پشت پناہ تھے امارت و حکومت کی اُس مادی و دنیاوی ترقی کے جسنے بجائے حریت و مساوات کے استبداد و قہرمانیت کی بنیاد دنیا میں ڈالی۔ پھر مذہب سے متعلق کوئی لٹریچر ایسا نہیں تھا جس میں اس جذبہ سے کام نہ لیا گیا ہو اور کوئی حکمراں ہستی ایسی نہ تھی جس نے اس سے فائدہ نہ اُٹھایا ہو۔ فقہ و اصول فقہ میں، حدیث و اصول حدیث میں، تفسیر و اصول تفسیر میں اور اسی طرح تاریخ، ادب، کلام الغرض تمام لٹریچر میں حق و باطل، صدق و کذب کو اس طرح مخلوط کر دیا گیا کہ لوگوں کو امتیاز نقد و نسیہ دشوار ہو گیا اور حالت بد سے بدتر ہوتی گئی۔ جس کا آخری نمونہ حکومت عثمانی کا وہ دور ظلمت تھا جو "خلافت پناہی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جس کی لعنتوں کی مکمل ترین مثال

"سلطان عبدالحمید خاں" کا وہ زمانہ تھا جب اس "سلطان البرین والبحرین اور خلیفۃ اللہ فی الارض" کا ملک سوائے ترکوں کے ساری دنیا کے لئے وقف تھا، ممالک غیر کے سفیر قسطنطنیہ میں خود مختارانہ عدالتیں قائم کئے ہوئے شاہانہ زندگی بسر کر رہے تھے اور اہل یورپ پیرا میں اس لطف و مسرت کی داد دے رہے تھے جو ترکوں ہی کے روپیہ سے اُنھیں نصیب ہوئی تھی، لیکن غریب ترک اس سے بالکل محروم تھے۔ پھر یہ تمام بربادیاں اور غارتگریاں جن سے مسلمانوں کے خاندان کے خاندان تباہ ہو رہے تھے، وہ عسرت و افلاس جس نے اہل ملک سے آزادی کی آخری سانس بھی چھین لی تھی، وہ تمام اخلاقی، اقتصادی و علمی انحطاط جو ایک وبا کی طرح ہر ہر فرد پر مسلط تھا، سب ان ہی رہنماؤں، عالموں، قاضیوں اور شیخ الاسلاموں کا لایا ہوا تھا جو خلیفۂ وقت کی بداعمالیوں کے جواز کا فتوے دے دیکر ملک کے جذبات کو اُبھرنے نہ دیتے تھے اور طمع صرف یہ تھی کہ اس خدمت گرانما کے عوض میں ان کو چند "درہم و دینار" اسی طرح ملجایا کرتے تھے، جس طرح شیر شکار کے بعد چند ہڈیاں اور گوشت و پوست کے کچھ ٹکڑے مردار خوار جانوروں کے لئے چھوڑ جاتا ہے۔ پھر ظاہر ہے کہ جب ملک کی حالت اس درجہ انحطاط پر پہونچ جائیگی تو اس کا "ردعمل" کیا ہوگا؟

سلطان عبدالحمید خاں کی معزولی اور ترکی کا پہلا انقلاب حقیقتاً اُس ردعمل کی صرف ابتدا تھی، جسکی انتہا لطلِ اعظم مصطفےٰ کمال کے ہاتھ پر مقسوم ہو چکی تھی اور جو اچھی طرح جانتا تھا کہ جبتک ان مذہبی رہنماؤں کو محو نہ کیا جائے گا کوئی مفید نتیجہ نہیں نکل سکتا، چنانچہ اس نے سب سے پہلے "خلافت" کا خاتمہ کیا جو سرچشمہ تھا تمام مفاسد کا اور پھر تمام مولویوں کو جنھیں "ذریات خلافت" کہنا چاہیئے ضعیف و کمزور کر کے اس انقلاب کو رونما کیا جس کی نظیر آج تک تاریخ کے صفحات پیش نہیں کر سکے۔

کہا جاتا ہے کہ ترکی بے دین ہو گیا ہے، ہندوستان کے مولوی چیخ رہے ہیں کہ ترکی کی ترقی لامذہبیت و بیدینی کی ترقی ہے، کبھی کبھی خود حدودِ ترکی کے اندر مولویانہ بغاوتیں رونما ہوجاتی ہیں، لیکن کیا کوئی دانشمند کبھی سمجھ سکتا ہے کہ اگر ترقی اسی بیدینی و بے راہ روی سے حاصل ہو سکتی ہے تو پھر دنیا میں کون ہے جو مذہب و مذہبیت کو اختیار کرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔ آخر کب تک عالم کو اس فریب میں مبتلا رکھا جائے گا کہ مذہب قاطع ترقی و ہادم لذات ہے اور کیونکر اب عقول انسانی کو پیچھے ہٹا کر بجائے "اعتماد نفس" کے "اعتمادِ مولوی" کا یقین دلایا جائیگا۔

آج ترکی "خلافت اور مولویت" کے جال سے نکل کر تعلیم و اقتصاد، صنعت و حرفت، سیاست و تجارت غرضکہ زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی کر رہا ہے، دنیا میں ایک خاص اقتدار حاصل کر کے "مرد بیمار" کی لعنت سے آزاد ہو گیا ہے، اسلئے اب یہ ناممکن ہے کہ وہاں پھر وہ دور قائم ہو جس کی تمنا میں ہمارا "مولوی" آتش زیر پا نظر آ رہا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ بعض مسائل میں ترکی حدود سے متجاوز ہوگیا ہے اور مذہب کی کوئی قیمت ان کے نزدیک باقی نہیں رہی، لیکن سوال یہ ہے کہ اس انقلاب کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ وہ لوگ جنھوں نے خلافِ ترکی کے عہد آخریں کے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس الزام کا مستحق کون ہے؟

مس گریس آلی سن نے زمانۂ دراز تک وہاں زندگی بسر کرکے "موجودہ ترکی" پر جو کتاب لکھی ہے، اسکے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اب کونسی روح کام کر رہی ہے اور یہ رد عمل کس چیز کا نتیجہ ہے؟

ماہ آیندہ کے نگار میں ہم اس کتاب کے بعض بعض اقتباسات پیش کرکے زیادہ واضح طریقہ سے "نزاع کفر و ایمان" کی اس دلچسپ داستان کو سنائیں گے۔

---

سیاسیات ہند کی تاریخ میں وہ تحریک جس نے راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے انعقاد کی طرح ڈالی، ہمیشہ یاد رہنے والی چیز ہے۔

اس کانفرنس میں کانگرس جماعت کے سربرآوردہ اصحاب نے شرکت نہیں کی۔ مکمل آزادی چاہنے والوں کو اس میں حصہ لینے کی فرصت عطا نہیں ہوئی۔ اور یقیناً متحدہ ہند کی آواز کی نمایندگی کا شرف اس کو حاصل نہیں ہوا لیکن باوجود ان تمام نقائص کے اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ مغربی حکومت کی ذہنیت اور مشرق کے اضطراب محکومیت کے درمیان جو خلیج عرصہ سے حایل چلی آرہی تھی وہ ضرور دور ہوگئی۔

حکومت برطانیہ کو جس نے کبھی ہندوستان کے جذبۂ آزادی کو ایک ہنگامی بحران سے زیادہ وقعت نہیں دی تھی، آخر کار سمجھنا پڑا کہ دنیا کی حقیقتوں کو عرصہ تک نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اور ادہر مشرق کو اس خواب کی تعبیر ملگئی جسے وہ مقاطعہ اور مقاومت خاموش کی صورت میں دس سال قبل سے دیکھتا چلا آرہا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ برطانیہ کا تسلط ہندوستان پر ایک متعدد ہاتھ رکھنے والے تسمہ پا کی سی گرفت ہے کہ اگر کسی نہ کسی طرح ہاتھوں کی تمام گرفت چھوٹ جائیں تو بھی پاؤں، گلے کا پھندا بنے ہوئے موجود ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہندوستان پوری طرح "اپنی گلو خلاصی" پر اظہار مسرت کرسکے لیکن حکومت کو یہ بالکل یقینی طور پر معلوم ہوگیا ہے کہ بہت جلد اسکو اپنی آخری گرفت بھی ڈھیلی کرنی پڑیگی اور ہماری رائے میں یہ اتنی بڑی کامیابی کانفرنس کی ہے کہ اگر کچھ اور نتیجہ نہ برآمد ہو، تو بھی اس پر اعتماد کرکے ملک عرصہ تک قربانیاں پیش کرنے کیلئے تیار رہ سکتا ہے۔

اس کانفرنس کا تتمہ جو خود ہندوستان میں منعقد ہوگا ابھی تک معرض التوا میں ہے اور کہا جاتا ہے کہ اسکی کامیابی یا عدم کامیابی بہت کچھ گاندھی وارون کی باہمی گفتگو کے نتیجہ پر منحصر ہے، مجھے اس نظریہ سے

اختلاف ہے، کیونکہ اول تو گاندھی اور ارون کا باہم مصالحت کرلینا بالکل یقینی ہے۔ اور اگر یہ نہ ہو تو بھی جس طرح بغیر شرکت گاندھی جی کے ولایت میں کانفرنس ہوگئی اور گاندھی جی بعد کو شرائط صلح پیش کرنے پر آمادہ ہوگئے اسی طرح اب نہ سہی تو اس تمۃ کانفرنس کے بعد وہ پھر دوسری شرائط صلح پیش کرنے پر آمادہ ہوجائیں گے۔ اور نتیجہ یہ ہوگا کہ جو کچھ بحالت موجودہ ہندوستان کو مل رہا ہے، خواہ وہ نہایت ہی حقیر قسم کا آزاد نظام حکومت کیوں نہ ہو، اس کے لینے کے لئے گاندھی جی تیار ہوجائیں گے۔

مکمل آزادی کا مطالبہ اولین و آخرین قسط کی صورت میں نہ اب مہاتما گاندھی کے پروگرام میں شامل ہے اور نہ کسی اور شخص کے۔ اب جس پالیسی پر عمل کیا جارہا ہے، وہ اس سے زیادہ نہیں جو خود برطانیہ نے ہندوستان پر مسلط ہونے کے لئے اختیار کی تھی اور اس لئے میرے نزدیک سپرو، جیکار، شاستری اور گاندھی جی کے مابین باہمی ردوقبول، اصرار وانکار، ہاں نہیں کا منظر اس سے زیادہ نہیں ہے جسے "جنگ زرگری" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہ تقریباً طے ہوچکا ہے کہ ہندوستان کو فیڈرل حکومت دیجائے گی اور تمام صوبے اپنے اندرونی انتظام میں مجلس قانونی کے ماتحت بڑی حد تک آزاد ہوں گے۔ لیکن اس سلسلہ میں سب سے اہم سوال نمایندگی کا ہنوز مختلف فیہ چلا آرہا ہے اور اقلیت واکثریت کے مابین مخلوط وغیر مخلوط انتخاب کی نزاع ہنوز باقی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر مخلوط انتخاب کو سب نے متفقہ طور پر تسلیم کرلیا تو پھر اقلیت کے تحفظ کے لئے کوئی نہ کوئی صورت نکالنا پڑے گی۔ اور اگر انتخاب غیر مخلوط ہوا تو پھر اس صورت میں سب سے بڑی گارنٹی مختلف صوبوں کی اقلیت واکثریت سے متعلق ہوگی جو میرے نزدیک بڑی حد تک ذہنی، خیالی اور ناقابل عمل ہے۔

اس مسئلہ کا اب تک طے نہ ہونا میرے نزدیک صرف ایک سبب پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ اقلیت نے اعتماد نفس کو بالکل نظر انداز کردیا ہے۔ اور وہ یہ سمجھ رہی ہے کہ اکثریت کا مقابلہ دشوار ہے۔ حالانکہ دنیا میں اکثریت واقلیت جس حد تک اثر انداز ہونیوالی ہے۔ اس کا تعلق میرے نزدیک کبھی کمیت سے نہیں ہوا۔ بلکہ ہمیشہ کیفیت ہی کے لحاظ سے اس پر حکم لگایا گیا ہے۔ اس لئے میرے نزدیک اقلیت والوں اور خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کا خائف ہونا، ایک ایسی خطرناک ذہنیت کا اظہار ہے کہ اگر اس میں برابر ترقی ہوتی گئی تو مجھے اندیشہ ہے کہ اگر ان کی خواہش کے مطابق جداگانہ انتخاب بھی منظور ہوگیا تو وہ اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکیں گے۔ سوائے اس مفروضہ صورت کے جو ڈاکٹر اقبال نے اپنے خطبۂ صدارت مسلم لیگ میں تجویز کی تھی، لیکن اس کی حالت یہ ہے کہ اگر حشر کے بعد دوبارہ دنیا آباد ہو اور دنیا کی آبادی بھی علامہ اقبال کے مشورہ خاص کے مطابق آراستہ کیجائے۔ تو شاید اس پر عمل ہوسکے، ورنہ یوں تو کوئی پہلو اس کے امکان کا نہیں ہے۔

بہرحال میرے نزدیک مسلمانوں کے لئے بہتر طریق کار یہی ہے کہ وہ مخلوط انتخاب کو مان لیں، اس اندیشہ

کے ساتھ نہیں کہ ہندوؤں کی آبادی ۲۲ کروڑ ہے، بلکہ اس اعتماد پر کہ وہ خود بھی نو کروڑ کی تعداد میں ہندوستان کے اندر آباد ہیں اور اگر بفرض محال تمام ہندو اُن کے پامال کرنے پر ہی تُل جائیں تو بھی آسانی کے ساتھ وہ ثابت کرسکتے ہیں کہ ۹ ——— کی قوت ۲۲ کروڑ کے مقابلہ میں ایسی ضعیف نہیں ہوا کرتی کہ یوں آسانی سے اسے مٹا دیا جائے۔

اس وقت مسلمانوں کو جس امر پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے وہ صرف اُنکی تعلیمی و اقتصادی کمزوری ہے جس نے انھیں اس قدر لرزہ براندام بنا رکھا ہے، اگر وہ اپنی تمام تر توجہ اس طرف مبذول کردیں تو چند دن میں خود ان کو محسوس ہونے لگے گا کہ اقلیت و اکثریت کا معیار اعداد و مقدار پر نہیں ہے بلکہ کیف و اقتدار پر ہے، ورنہ یوں تو اگر نااہلی کی حالت میں اگر تمام ہندو ہندوستان سے ترک سکونت کرکے سارا ملک مسلمانوں کے سپرد کرکے چلے جائیں تو بھی وہ چند دن میں اپنی حکومت عرصہ تک قائم نہ رکھ سکیں گے اور چند دن میں پھر ان کی وہی حالت ہوجائے گی جو ہمیشہ ایک جاہل و کم فہم قوم کی ہوا کرتی ہے۔

---

گزشتہ ماہ کے رسالہ میں، یو، پی کے ایک اور جدید رسالہ کا ذکر نہ کرسکا جو "ایوان" کے نام سے جناب مجنوں گورکھپوری نے اپنے "ایوان اشاعت گورکھپور" سے جاری کیا ہے۔ اسکا پہلا پرچہ فروری میں شائع ہوگیا ہے اور تمام اُن خصوصیات کا حامل ہے جو ایک خالص ادبی رسالہ میں پائی جانا چاہیئے۔ جناب مجنوں نہ صرف افسانہ نگار بلکہ ایک اچھے نقاد ادب اور خیالی فلسفی بھی ہیں اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ انکا رسالہ اچھے ذوق و معیار کا نہ ہو۔

جناب مجنوں نے صرف سال گزشتہ ایوان اشاعت کی بنیاد گورکھپور میں رکھی اور اس دوران میں دو قابل قدر کتابیں (شو نہار۔ مثنوی زہر عشق) اُنھوں نے شائع کیں۔ شو نہار کا ذکر اس سے قبل آچکا ہے۔ زہر عشق کے متعلق زیادہ لکھنا بیکار ہے، کیونکہ مثنوی بجائے خود کافی دلکش ہے، چہ جائیکہ اس میں متعدد رنگین و سادہ تصاویر کے ساتھ چار چار مقدموں کا بھی اضافہ ہو۔ یہ کتاب مجلد شائع ہوئی ہے اور عہ میں ایوان اشاعت گورکھپور سے مل سکتی ہے۔ ایوان اشاعت اور کتابیں بھی شائع کر رہا ہے۔ اور مجھے اس کا بھی علم ہے کہ وہ سب اچھی ترتیب کے ساتھ رونما ہونیوالی ہیں۔

اسی سلسلہ میں مجھے ایک اور رسالہ (اعجاز) کا بھی ذکر کردینا چاہیئے جو بارہ بنکی (اودھ) سے جاری ہوکر اپنی عمر کا پہلا سال ختم کرچکا ہے۔ جناب عقیل جعفری جو اس کے روح رواں ہیں بہت خوش ذوق اور روشن خیال آدمی ہیں اور وہ پوری سعی کر رہے ہیں کہ ان کا رسالہ دلکش و مفید مضامین کے ساتھ شائع ہو۔ بعض بعض مضامین اس میں فکاہی بھی ہوتے ہیں۔ جو تنقید صحیح کے اصول پر لکھے جاتے ہیں۔ رسالہ باوجود مختصر اور ارزاں ہونے کے

کافی دلچسپ ہے۔ کیونکہ "سائنس" اور "ریاضیات" بھی اس کا ایک ضروری جزو ہے۔ مقامی ڈسٹرکٹ بورڈ نے مدارس کے لئے اُسکی خریداری منظور کرکے کافی قدردانی سے کام لیا ہے، لیکن جب تک پبلک متوجہ نہ ہو کسی رسالہ کی دشواریاں اس نوع کے ہنگامی و عارضی امداد سے دور نہیں ہوسکتیں۔ امید ہے کہ ناظرین نگار ایک بار اس کا نمونہ طلب کرنے کی زحمت گوارا کرینگے۔

---

گزشتہ ماہ ہم نے نولکشور پریس کی ریڈروں کے متعلق اظہار خیال کیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نولکشور پریس کے منیجر نے اس باب میں ہم سے گفتگو کی اور ہمکو اطمینان دلایا کہ ان ریڈروں پر نظر ثانی کا اہتمام ہورہا ہے اور کوشش کیجارہی ہے کہ قبل اشاعت اس قسم کے تمام نقائص دور ہوجائیں۔ ہم کو مسرت ہے کہ ان کا خیال اس اہم مسئلہ کیطرف مبذول ہوا اور امید ہے کہ اب بار دگر ہمکو لکھنے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔

---

جو حضرات از راہ لطف و کرم اپنے مقالات نگار میں بغرض اشاعت روانہ فرماتے ہیں۔ ان کو میں دو باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ وہ خود پہلے غور کرکے فیصلہ کرلیا کریں کہ آیا مضمون نگار کے معیار کے لحاظ سے زیادہ بلند و پست تو نہیں ہے اگر فیصلہ یہ ہو کہ نگار ضرور اس کا مستحق ہے تو پھر اُس کے ساتھ جواب کے لئے ایک ٹکٹ زدہ لفافہ کا آنا بھی ضروری ہے۔ تاکہ فوراً اشاعت و عدم اشاعت کے متعلق اطلاع دیدی جائے اسی کے ساتھ یہ بھی استدعا ہے کہ اگر کوئی مضمون یا نظم بغرض اشاعت رکھ لی گئی ہے تو اس امر پہ مجھے مجبور نہ کیا جائے کہ میں فوراً اُسے شائع کردوں۔

---

مجھے ان ناظرین نگار کی خدمت میں بھی کچھ عرض کرنا ہے جو اب تک اپنا نمبر خریداری رجسٹرڈ نمبر اے ۴۰۱۱ سمجھے ہوئے ہیں انھیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ نمبر خریداری کا نہیں ہے بلکہ ڈاک خانہ کا نمبر ہے جو نگار کو ملا ہے نمبر خریداری وہ ہے جو پتہ کے کاغذ پر داہنی جانب بلیو بلیک سیاہی سے درج ہوتا ہے۔ اگر آپ حضرات ایک بار اس نمبر کو نوٹ کرکے خط و کتابت میں اُس کا حوالہ دے دیا کریں تو کسقدر آسانی ہو۔

---

یہ کاپی پریس کو جارہی تھی کہ حکومت و کانگریس کی باہمی صلح کا اعلان اخباروں میں آگیا اور آخرکار وہ ہوکر رہا جسکا ہوجانا ناگزیر تھا اور اس طرح ہندوستان نے اس زینہ پر قدم رکھدیا جو آزادی تک کسی نہ کسی دن پہونچانیوالا ہے اب بھی وقت ہے کہ مسلمان وقت کی نزاکت کو محسوس کریں اور ہوش و گوش سے کام لیکر اُس راستے سے بچیں جو ترکستان کو جاتا ہے

# مطالعۂ حدیث تنقید صحیح کی روشنی میں

## بعض عقائد اسلامی کی مجہول و کمزور ماخذ

### ابوہریرہؓ

یہ ایک سلسلۂ مضامین ہے، جس میں فاضل مقالہ نگار نے مطالعۂ حدیث کے سلسلہ میں بعض اہم مباحث پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ اور اصولاً اس امر کا فیصلہ کیا ہے کہ مجموعۂ احادیث پر ہمکو کس حد تک اور کن شرائط کے ماتحت اعتماد کرنا چاہیئے۔

یہ پہلی قسط ہے، جس میں ابوہریرہ اور انکی روایات کی اہمیت پر بحث کی گئی ہے اور سب سے پہلے اصولاً اسی پر گفتگو ہونا چاہیئے تھی، کیونکہ راویوں کی فہرست میں ابوہریرہ روایات کی تنوع و کثرت کے لحاظ سے وہی درجہ رکھتے ہیں جو نوعِ انسان میں ابوالآباء کا ہے۔

اس کے بعد ذیل کے مباحث پر گفتگو کی گئی ہے:-

| | |
|---|---|
| ۱- دجال کی حقیقت | ۲- معراج نبوی |
| ۳- اوقات صلوٰۃ | ۴- ایام صیام |
| ۵- نصاب زکوٰۃ | ۶- قتل مرتد |
| ۷- غلامی | ۸- حدیث و مخالفت قرآن |

کوشش کیجائے گی کہ ہر مبحث پر مکمل مقالہ ہر مہینے شائع کر دیا جائے اور اس طرح یہ سلسلہ نومبر یا دسمبر تک ختم ہو جائے گا۔

امید ہے کہ ناظرین نگار ان مباحث کو غور سے پڑھیں گے اور اس سلسلہ کو جو حقیقتاً ایک مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے، ہاتھ سے نجانے دینگے۔

اگر کسی صاحب کا کوئی مضمون اس کے جواب میں آیا تو اس اشاعت کیلئے نگار کے صفحات حاضر ہیں۔

**نیاز**

---

حدیث میں سب سے زیادہ ممتاز ہستی اور روایت کی حیثیت سے سب سے عجیب و غریب ذات یمن کے قبیلہ دوس و ازد کے ایک شخص کی ہے۔ جن کا نام عبدالرحمٰن اور کنیت ابوہریرہ تھی۔ جب یہ مدینہ میں آئے تو نہایت مفلوک و مفلس اور غالباً کمسن بھی تھے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں:۔

"میں بڑا ہوا یتیمی کی حالت میں اور جب میں نے آنحضرت کے پاس ہجرت کی اس وقت میں مسکین تھا اور نوکر تھا غزوان کی بیٹی کا صرف پیٹ کی نوکری پر۔ اور باری باری اونٹ چرانے پر۔ جن لوگوں کے لئے لکڑیاں چنتا تھا جب وہ اُترتے اور جانوروں کو گا کر چلاتا جب وہ سوار ہوتے تو شکر ہے اُس کا جس نے دین کو مضبوط کیا اور "ابوہریرہ کو دین کا پیشوا بنایا۔" (ابن ماجہ)

(آخر کے جملے قابل غور ہیں)

جب وہ رسول اللہ کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے تو آنحضرت غزوہ خیبر میں مشغول تھے۔ غزوہ خیبر ۷ ہجری کا واقعہ ہے اور ۱۱ھ کے ربیع الثانی میں آنحضرت نے رحلت فرمائی۔ ساڑھے تین برس میں آنحضرت کو متعدد غزوات پیش آئے۔ غزوہ تبوک۔ غزوہ حُنین۔ غزوہ طائف۔ فتح مکہ۔ حجۃ الوداع جس میں خود آپ بہ نفس نفیس شریک تھے۔ ابوہریرہ کا قول ہے۔ جیسا حسب ذیل حدیثوں سے معلوم ہو گا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوہ خیبر۔ غزوہ تبوک۔ جنگ حنین۔ فتح مکہ۔ اور حج اکبر میں شریک تھے اگرچہ یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ کس حیثیت سے۔ ان احادیث میں قابل غور امر یہ ہے کہ اس قسم کے واقعات سے ملتا جلتا واقعہ اور صحابیوں کے زبانی بھی مروی ہے۔ لہٰذا یہ بھی ممکن ہے کہ ابوہریرہ نے سارے واقعات دوسرے صحابیوں سے سُنے ہوں۔ اور بعد کو اپنی طرف سے بیان کر دیے ہوں۔

**جنگ تبوک**

"ہم رسول اللہ صلعم کے ساتھ تھے ایک سفر میں تو لوگوں کے توشے تمام ہو گئے۔ اور آپ نے قصد کیا لوگوں کے بعض اونٹ کاٹ ڈالنے کا۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ کاش آپ جمع کیجئے لوگوں کے سب توشوں کو پھر دعا کیجئے اللہ سے اس پر۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ تو جس کے پاس گیہوں تھا وہ اپنے گیہوں لیکر آیا اور جس کے پاس کھجور تھی وہ کھجور لے کر آیا اور جس کے پاس گٹھلی تھی وہ گٹھلی لے کر آیا۔ راوی نے پوچھا گٹھلی کو کیا کرتے تھے انھوں نے کہا اس کو چوستے تھے پھر اُس پر پانی پی لیتے تھے۔ راوی نے کہا آپ نے دعا کی ان توشوں پر۔ لوگوں نے اپنے اپنے توشہ دانوں کو بھر لیا۔ اس وقت آپ نے فرمایا گواہی دیتا ہوں اس بات پر کہ کوئی برحق معبود نہیں سوائے اللہ کے۔ اور میں اللہ کا بھیجا ہوا ہوں۔ جو بندہ اللہ سے ملے اور

اور ان دونوں باتوں میں اُس کو شک نہ ہو تو وہ جنت میں جاوے گا۔ (مسلم بخاری)

ابو سعید خدری نے بھی اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ اور گٹھلی چوسنے کا قصہ تو کثرت سے بیان کیا گیا ہے۔ خصوصاً جابر بن عبد اللہ نے لکھا ہے:-

**جنگ حنین**

"ہم رسول اللہ صلعم کے ساتھ تھے جنگ حُنین میں۔ آپ نے فرمایا ایک شخص کو جو دعوٰے کرتا تھا اسلام کا کہ یہ جہنم والوں میں سے ہے۔ جب لڑائی کا وقت آیا تو یہ شخص خوب لڑا۔ اور زخمی ہوا۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ آپ نے جس شخص کو جہنمی فرمایا تھا وہ تو آج خوب لڑا اور مر گیا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جہنم میں گیا۔ بعض مسلمانوں کو اس میں شک ہونے کو تھا کہ اتنے میں خبر آئی کہ وہ زندہ ہے۔ لیکن بہت سخت زخمی ہے۔ جب رات ہوئی تو وہ زخموں کی تکلیف برداشت نہ کر سکا اور اُس نے اپنے تئیں آپ مار لیا۔ جب رسول اللہ صلعم کو اس کی خبر پہونچی تو آپ نے فرمایا اللہ اکبر۔ میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس کا بھیجا ہوا ہوں۔ پھر آپ نے حکم کیا بلال کو۔ اس نے منادی کر دی لوگوں میں کہ جنت میں نہ جاوے گا کوئی شخص مگر وہی جو مسلمان ہو اور اللہ مدد کرے گا اس دین کی بڑے آدمیوں سے۔ (مسلم بخاری)

اس واقعہ کو سہل بن سعد ساعدی نے بھی بیان کیا ہے:-

**جنگ خیبر**

"ہم رسول اللہ صلعم کے ساتھ تھے۔ خیبر کی طرف۔ پھر اللہ نے فتح دی، ہم کو تو نہیں لوٹا ہم نے چاندی اور سونا۔ بلکہ لوٹا ہم نے اسباب اور کپڑے پھر ہم چلے وادی کی طرف اور رسول اللہ صلعم کے ساتھ آپ کا ایک غلام تھا جس کا نام مدعم تھا جس کو بخشا تھا۔ ایک شخص نے جذام میں سے۔ جس کا نام رفاعہ بن زید تھا بنی جبیب میں سے۔ جب ہم وادی میں سے اُترے تو رسول اللہ صلعم کا غلام کھڑا ہوا۔ آپ کا کجاوہ کھول رہا تھا۔ اتنے میں ایک تیر اس کو لگا۔ جس میں اُس کی موت تھی۔ ہم لوگوں نے کہا مبارک ہو وہ شہید ہے یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ قسم ہے اُس شخص کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے۔ وہ شعلہ اُس پر انگارہ کی طرح سُلگ رہا ہے۔ جو اس نے مال غنیمت میں خیبر کے دن لیا تھا۔ اور اُس وقت تک غنیمت تقسیم نہ ہوئی تھی۔ یہ سُن کر لوگ ڈر گئے۔ اور ایک شخص ایک تسمہ یا دو تسمہ لیکر آیا اور کہنے لگا۔ یا رسول اللہ صلعم میں نے خیبر کے دن اس کو پایا تھا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ یہ تسمہ یا تسمے کے انگارے ہیں۔ (مسلم)

حضرت عمر ابن الخطاب نے بھی اس قسم کا واقعہ بیان کیا ہے۔ مگر اس میں ذرا اختلاف ہے۔ ایک اور روایت میں غزوۂ خیبر کا ذکر یوں کرتے ہیں:-

"رسول اللہ صلعم جب لوٹے غزوۂ خیبر سے تو رات بھر چلے۔ یہاں تک کہ جب آپ اونگھنے لگے آخر شب میں۔ اُتر پڑے اور بلال سے کہا تم ہمارا پہرہ دو آج کی رات۔ تو بلال نماز پڑھتے رہے۔ اور رسول اللہ علیہ اللہ علیہ وسلم سو گئے اور اُن کے اصحاب بھی پھر جب صبح قریب ہوئی بلال نے اپنی اونٹنی پر تکیہ لگایا مشرق کی طرف منھ کر کے اور آنکھ لگ گئی۔ پھر نہ جاگے رسول اللہ صلعم اور نہ بلال اور نہ کوئی اور شخص ان کے اصحاب سے یہاں تک کہ اُن پر دھوپ پڑی۔ پھر رسول اللہ صلعم سب سے اول جاگے اور گھبرائے

اور فرمایا اے بلال۔ تو بلال نے عرض کیا کہ میری جان کو بھی اُس نے پکڑ لیا جس نے آپ کی جان کو پکڑا۔ میرے ماں باپ فدا ہوں آپ پر اے رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا اونٹوں کو ہانکو۔ پھر ہانکا تھوڑی دور اونٹوں کو۔ پھر وضو کیا رسول اللہ صلعم نے اور حکم کیا بلال کو اور تکبیر کہی نماز کی اور صبح کی نماز ادا کی۔ پھر جب نماز پڑھ چکے فرمایا۔ جو بھول جاوے نماز کو پڑھ لیوے جب یاد آوے اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ اقم الصلوٰۃ لذکری (مسلم)

اس واقعہ کو عمران بن حصین نے بھی بیان کیا ہے:-

## فتح مکہ

"جب اللہ نے مکہ کی فتح دی تو آپ لوگوں میں کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد وثنا کی۔ پھر فرمایا کہ اللہ پاک نے اصحاب فیل کو مکہ سے روک دیا اور اپنے رسول کو اور مومنوں کو اس کا حاکم بنایا اور اس میں لڑنا کسی کو حلال نہیں ہوا۔ مجھ سے پہلے اور مجھے بھی ایک گھڑی کی اجازت ہوئی۔ اور اب کبھی حلال نہ ہوگا میرے بعد کسی کو۔ پھر اُس کا شکار بھگایا نہ جاوے اور اُس کا کانٹا توڑا نہ جاوے۔ اور اس کی گری پڑی چیزیں (لقطہ) اٹھائی نہ جاویں۔ مگر وہ شخص اُٹھاوے جو بتاتا پھرے کہ جسکی ہو اُس کو دیدے۔ اور جس کا کوئی شخص مارا گیا۔ اس کو دو باتوں کا اختیار ہے خواہ فدیہ لے لے خواہ قاتل کو قصاص میں مروا ڈالے۔ اس کے بعد عباس نے عرض کیا۔ مگر اذخر یا رسول اللہ کہ ہم اس کو اپنی قبروں میں ڈالتے ہیں اور گھروں کو اس سے چھپاتے ہیں تو آپ نے فرمایا خیر اذخر توڑ لو۔ پھر ابو عشاۃ یمن کا ایک شخص اُٹھا اور اُس نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھکو یہ لکھدو۔ آپ نے فرمایا لکھ ڈالو ابو عشاۃ کے لئے۔ ولید نے کہا میں نے اوزاعی سے پوچھا اس کا کیا مطلب ہے۔ انھوں نے کہا۔ یہ ہی خطبہ جو رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ (مسلم)

اس روایت کو ابن عباس نے بھی بیان کیا ہے۔ مگر وہ مرفوع نہیں ہو سکتی۔ جابر بن عبداللہ بھی اس کے راوی ہیں اور ابو ہریرہ نے اگر خود نہیں دیکھا تو جابر سے سُنا ہوگا۔ دوسری روایت فتح مکہ کے بارے میں اسطرح مروی ہے۔

"کئی جماعتیں سفر کر کے معاویہ کے پاس آئیں رمضان کے مہینے میں۔ عبداللہ بن رباح نے راجو ابو ہریرہ کے راوی ہیں) کہا۔ ہم میں ایک دوسرے کے لئے کھانا تیار کرتا تو ابو ہریرہ اکثر ہم کو بلاتے اپنے مقام پر۔ ایک دن میں نے کہا میں بھی کھانا تیار کروں اور اپنے مقام پر سبکو بلاؤں۔ تو میں نے کھانے کا حکم دیا اور شام کو ابو ہریرہ سے ملا اور کہا آج کی رات میرے ہاں دعوت ہے ابو ہریرہ نے کہا تو نے مجھ سے آگے کہدیا۔ میں نے کہا ہاں پھر میں نے ان سب کو بلایا حضرت ابو ہریرہ نے کہا اے انصار کے گروہ میں تمہارے باب میں ایک حدیث بیان کرتا ہوں۔ پھر اُنھوں نے فتح مکہ کا ذکر کیا۔ بعد اس کے کہا رسول اللہ صلعم آئے۔ یہانتک کہ مکہ میں داخل ہوئے۔ تو ایک جانب پر زبیر کو بھیجا اور دوسرے پر خالد بن ابو سعید کو۔ اور ابو عبیدہ بن الجراح کو ان لوگوں کا سردار کیا۔ جن کے پاس زرہیں نہ تھیں۔ وہ گھاٹی کے اندر سے گئے۔ اور رسول اللہ صلعم ایک لشکر میں تھے۔ آپ نے مجھے دیکھا تو فرمایا ابو ہریرہ۔ میں نے کہا حاضر ہوں یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا میرے پاس سوا انصار کے کوئی نہ آوے۔ اور فرمایا انصار کو میرے لئے پکارو۔ پھر وہ سب آپ کے گرد ہو گئے اور قریش نے بھی اپنے گروہ اور تابعدار اکٹھے کئے اور کہا ہم کو آگے کرتے ہیں اور کیا ہم

ان کو آگے کرتے ہیں۔ اگر کچھ ملا تو ہم ان کے ساتھ ہیں اور جو آفت آئی تو دیدیں گے جو ہم سے مانگا جاوے گا۔ آپ نے فرمایا تم دیکھتے ہو قریش کی جماعتوں اور تابعداروں کو۔ پھر آپ نے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ پر بتلایا (یعنی قتال کا اشارہ کیا) اور فرمایا تم مجھ سے صفا پہاڑ پر ملو۔ ابوہریرہ نے کہا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ابوسفیان کے گھر چلا جاوے اس کو امن ہے۔ انصار ایک دوسرے سے کہنے لگے ان کو اپنے وطن کی الفت آگئی اور اپنے کنبے والوں پر رحیم ہوئے۔ ابوہریرہ نے کہا پھر ہم چلے جو کوئی ہم میں سے کسی کو مارنا چاہتا وہ مار ڈالتا اور کوئی ہمارا مقابلہ نہ کرتا۔ یہانتک کہ ابوسفیان آیا اور کہنے لگا یارسول اللہ قریش کا گروہ تباہ ہوگیا۔ اب آج سے قریش نہ رہے (اس کے بعد آپ پر) وحی آنے لگی اور جب وحی آنے لگتی تو ہم کو معلوم ہو جاتا۔ جبتک وحی اترتی رہتی کوئی اپنی آنکھ آپکی طرف نہ اٹھاتا۔ یہاں تک کہ وحی ختم ہو جاتی۔ غرض جب وحی ہو چکی تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا اے انصار کے لوگو۔ انھوں نے کہا لبیک یارسول اللہ۔ آپ نے فرمایا تم نے یہ کہا اس شخص کو اپنے شہر کی الفت آگئی۔ انھوں نے کہا البتہ یہ تو ہم نے کہا۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس کا رسول ہوں۔ میں نے ہجرت کی اللہ کی طرف۔ اور تمہاری طرف۔ اب میری زندگی بھی تمہارے ساتھ ہے اور مرنا بھی تمہارے ساتھ۔ یہ سُن کر انصار روتے ہوئے دوڑے اور کہنے لگے قسم اللہ تعالے کی محض حرص کرکے۔ اللہ اور اُس کے رسول کی کہ آپ ہمارا ساتھ نہ چھوڑیں۔ اور ہمارے شہر ہی میں رہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ اور رسول تصدیق کرتے ہیں تمہاری اور تمہارا عذر قبول کرتے ہیں۔ پھر لوگ ابوسفیان کے گھر چلے گئے اور لوگوں نے اپنے دروازے بند کرلئے اور رسول اللہ صلعم تشریف لائے حجر اسود کے پاس اور اسکو چوما۔ پھر طواف کیا خانہ کعبہ کا (اگرچہ آپ احرام سے نہ تھے کیونکہ آپ کے سر پر خود تھا) پھر ایک بت کے پاس آئے جو کعبہ کے بازو پر رکھا ہوا تھا اس کو لوگ پوجا کرتے تھے۔ آپ کے ہاتھ میں کمان تھی۔ آپ اس کا کونا تھامے ہوئے تھے۔ جب بت کے پاس آئے تو اُس کی آنکھ میں کونچنے لگے اور فرمانے لگے جاء الحق وزہق الباطل ان الباطل کان زہوقا۔ جب طواف سے فارغ ہوئے تو صفا پہاڑ پر آئے اور اس پر چڑھے یہاں تک کہ کعبے کو دیکھا اور دونوں ہاتھ اُٹھائے۔ پھر اللہ تعالےٰ کی تعریف کرنے لگے اور دعا کرنے لگے جو دعا آپ نے چاہی۔" (مسلم)

**حج اکبر** "مجھے ابوبکر صدیق نے اس حج میں روانہ کیا جس میں رسول اللہ صلعم نے امیر کیا تھا حجۃ الوداع کے پہلے قبل مجھے روانہ کیا اس جماعت میں جو پکارتے تھے یوم النحر کو کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کو نہ آوے اور نہ کوئی بیت اللہ کا ننگا ہو کر طواف کرے۔" (صحیحین)

عجیب تر بات یہ ہے کہ مغازی ابن اسحق جو بخاری و مسلم سے تقریباً ستر برس قبل کی تصنیف ہے۔ اس میں ابوہریرہ کا ذکر غزوات بھی کہیں نہیں ملتا اور نہ ان کی طرف سے کوئی روایت نقل کی گئی ہے۔ کاتب واقدی نے غزوات میں اگر کسی راوی کا نام لیا ہے تو ابوہریرہ کا نام اس میں بھی نہیں ملتا۔ کاتب واقدی نے بالعموم روایت کو اس طرح شروع کیا ہے "مجھے روایت پہونچی اور واللہ اعلم بالصواب۔ ہاں ابوہریرہ کا ذکر ایک جگہ ہے اور وہ زمانہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں۔ بوجب روایت واقدی جب یمن کے قبائل غزوہ شام میں شرکت

کے لئے مدینہ آئے تو ابوہریرہ بھی اس میں موجود تھے۔ واقدی کے الفاظ یہ ہیں۔

"پھر اس قبیلے کے پیچھے قوم ازد کی بڑی جماعت سے اور اُن کے آگے جندب بن عمرو دوسی تھے اور اسی گروہ میں ابوہریرہ کمان و ترکش باندھے ہوئے شامل تھے۔ جب ابوبکر صدیق نے ان کو اس حیثیت سے دیکھا تو ہنسے اور فرمایا کہ تمہارے آنے کا کیا سبب ہے۔ تم تو لڑائی کے طریقے سے بھی واقف نہیں۔ ابوہریرہ نے کہا کہ میرے آنے کے دو سبب ہیں۔ ایک یہ کہ جہاد کے ثواب میں شامل ہوں اور دوسرے یہ کہ ملک شام کے میوہ جات کھاؤں۔ حضرت صدیق یہ جواب انکا سنکر ہنسے"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خلافت سیدنا ابوبکر سے قبل ہی اپنے وطن میں واپس چلے گئے۔ اور شاید آنحضرت کی وفات کے وقت وہ مدینہ میں نہ رہے ہوں۔ مگر تمام غزوۂ شام میں جس میں مجاہدین کے شجاعت و بسالت کی داستانیں دنیا کو غرق حیرت کردیں گی۔ اور جناب خالد۔ ضرار۔ شرجیل عبدالرحمٰن بن ابی بکر وغیرہم کے کارنامے فوجی تاریخوں میں ہمیشہ آب زر سے لکھے جائیں گے وہاں بھی ابوہریرہ کا کوئی ذکر نہیں آیا۔ اغلب یہ ہے کہ سپاہ اسلام میں یہ محض فالور یا باشی بزوق کی حیثیت رکھتے تھے۔ البتہ فتوحات بلاذری میں انکا ذکر خلافت سیدنا عمر فاروق میں ملتا ہے۔ حضرت عمر نے ان کو بحرین کا محصل مقرر کیا تھا۔ مگر ان پر غبن ثابت ہوا اور یہ مدینہ بلوائے گئے۔ حضرت عمر نے غصہ میں اُن سے مخاطب ہوکر کہا "اے خدا اور اُس کی کتاب کے دشمن تو نے مسلمانوں کا مال کیوں چرایا"۔ اس کے بعد خلفائے راشدین کے زمانے میں انکا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ غالباً معزولی کے بعد اُنھوں نے شام میں توطن اختیار کرلیا تھا۔ مروان بن الحکم کے زمانہ سے سنہ [illegible] ہجری سے سنہ [illegible] ہجری تک خلافت کی۔ اس زمانہ میں ابوہریرہ کو مروان نے مدینہ میں اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ چنانچہ مسلم کی روایت میں اس کا ذکر آیا ہے:۔

"جب ابوہریرہ کو مروان نے خلیفہ مقرر کیا۔ مدینہ میں تو وہ نماز کو کھڑے ہوتے وقت تکبیر کہتے۔ پھر جب وہ نماز پڑھ چکے اور سلام پھیرا تو مسجد والوں کی طرف منہ کیا اور کہا قسم اُس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں تم میں سب سے زیادہ مشابہ ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ (مسلم)

مروان وہی شخص ہے جو فتنۂ عثمانؓ کا اصلی بانی مبانی ہے۔ اور بنی امیہ میں سب سے زیادہ مکار اور خودغرض وہی شخص تھا اُسی کے زمانہ میں عبداللہ بن زبیر نے خروج کیا اور مسلمانوں کی جماعت کثیر نے عبداللہ بن زبیر کو صحیح خلیفہ اور مروان کو غاصب قرار دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ابی ہریرہ جب اسلام لائے تو ان کی عمر ۲۶ سال کی تھی اگر جنگ خیبر میں انکی عمر ۲۶ سال کی تھی جو سنہ ۷ھ کا واقعہ ہے تو سنہ [illegible] ہجری میں ۸۹ سال کی ہوئی۔ جو سن ایک شیخ فانی کا ہوتا ہے۔ مگر ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے بصرہ میں وفات پائی اور اُنکی عیادت کو حسن بصری آئے تھے۔

"حسن بصری نے کہا داخل ہوئے عیادت میں ہم ابوہریرہ کے یہاں تک کہ پھر گئے ہم گھر میں اور وہ لیٹے ہوئے تھے تو سمیٹ لئے اُنھوں نے دونوں پیر۔ پھر کہا اُنھوں نے کہ داخل ہوئے ہم، رسول اللہ صلعم کے پاس عیادت کے لئے یہاں تک کہ بھر گئے ہم گھر میں اور آپ لیٹے ہوئے تھے اپنی کروٹ پر۔ پھر جب ہم کو دیکھا آپ نے اپنے دونوں پیر سمیٹ لئے۔ اور فرمایا کہ آوینگی تمہارے پاس کئی قومیں میرے بعد کہ ڈھونڈتے ہونگے وہ علم کو سو مرحبا کہنا ان کو اور حبار کبا دو دینا انکو اور علم سکھانا انکو۔" (ابن ماجہ)

اس حساب سے تو وہ بالکل غیر طبعی عمر میں مرتے ہیں۔ حالانکہ تاریخ کی رو سے انکا انتقال چھتر سال کی عمر میں ہوا۔ اگر یہ صحیح ہے تو ابوہریرہ جسوقت آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے بالکل نوعمر بچے تھے۔ یہ نتیجہ اس واقعہ سے اور بھی قوی ہو جاتا ہے کہ ابوہریرہ کا خود بیان ہے کہ انکی والدہ بھی اُنکے ہمراہ تھیں۔ چنانچہ کہتے ہیں۔

"میں اپنی ماں کو اسلام کی طرف بلاتا تھا۔ وہ مشرکہ تھی۔ ایک دن مینے اس سے مسلمان ہونے کے لئے کہا اس نے رسول اللہ صلعم کے حق میں وہ بات سنائی جو مجھکو ناگوار گذری۔ میں جناب رسول اللہ صلعم کے پاس آیا روتا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنی ماں کو اسلام کی طرف بلاتا تھا اور وہ نہ مانتی تھی۔ آج اس نے آپ کے حق میں وہ بات سُنائی جو مجھے ناگوار ہے تو اللہ تعالےٰ سے دعا کیجئے کہ ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت دے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا یا اللہ ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت دے۔ میں خوش ہو کر نکلا حضرت کی دعا سے۔ جب گھر پر آیا اور دروازے پر پہونچا تو وہ بند تھا۔ میری ماں نے میرے پاؤں کی آواز سُنی اور بولی ذرا ٹھہرا رہ۔ اور بولی اے ابوہریرہ میں گواہی دیتی ہوں کہ حضرت محمد اللہ کے بندے ہیں۔ اور اُس کے رسول ہیں۔ ابوہریرہ نے کہا میں رسول اللہ صلعم کے پاس روتا ہوا آیا خوشی سے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ اللہ عزوجل نے آپ کی دعا قبول کی۔ خوش ہو جیئے اور ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت کی۔ آپ نے اللہ کی تعریف کی اور اُسکی صفت کی اور بہتر بات کہی۔ مینے عرض کیا یا رسول اللہ۔ اللہ عزوجل سے دعا کیجئے کہ میری اور میری ماں کی محبت مسلمانوں کے دل میں ڈالدے۔ تب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اپنے ان بندوں کی محبت اپنے مومن بندوں کے دلوں میں ڈال اور مومنوں کی محبت انکے دلوں میں ڈال۔ پھر کوئی مومن ایسا پیدا نہیں ہوا جس نے مجھ کو دیکھا ہو یا سُنا ہو مگر محبت رکھی ہو اس نے مجھ سے۔

آخر کے جملے قابل غور ہیں۔ ابوہریرہ کے پاس اسکی کیا دلیل ہے کہ جنھوں نے ان کو دیکھا یا سُنا۔ اُنھوں نے ان سے محبت کی۔ مگر ابوہریرہ اپنی توصیف میں روایتیں بیان کرنے کے عادی ہیں۔ نہ صرف اپنی بلکہ اپنے قبیلہ کے چنانچہ مسلم کی ایک روایت ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔

"یمن کے لوگ آئے۔ ایمان بھی یمن میں ہے اور فقہ بھی یمن میں۔"

طرفہ امر یہ ہے کہ بالکل یہی روایت ایک دوسرے صحابی اپنی والدہ کے متعلق بیان کرتے ہیں۔ قدرتی طور سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو ابوہریرہ کی والدہ نے کیا سمجھ کر آنحضرت کی طرف ہجرت کی تھی۔

پھر جب ابوہریرہ ہروقت۔ آنحضرت کی خدمت میں حاضر رہتے تو اپنی ماں کی پرداخت اور کفالت کس پر چھوڑی تھی۔ حالانکہ خود ان کا قول ہے کہ جب تک اُن کی والدہ زندہ رہیں اُنھوں نے حج کیا نہ جہاد۔ اور اُن کے ساتھ وہ رسول اللہ صلعم کے ساتھ ہر جہاد و حج میں شریک بتاتے ہیں۔ جیسا عام طور سے لوگوں کا خیال ہے وہ اصحاب صفہ میں سے نہ تھے۔ ورنہ یہ روایت اور طرح بیان کرتے۔

"میں نے ستر اصحاب صفہ کو دیکھا اور اُن میں سے کوئی آدمی ایسا نہ تھا کہ جس کے پاس ایک چادر ہو اور ازار بھی ہو اور وہ اپنی چادر کو گلے میں پہنتے تھے۔ اور اُنہیں سے بعض نصف ساق کو نہیں پہونچتی تھیں اور بعض ٹخنوں تک نہیں پہونچتی تھیں اور وہ ان کو زانو سے اکٹھے کئے رہتے تھے کہ انکو اپنا ننگا دیکھنے سے کراہت ہوتی تھی" (بخاری مسلم)

یہ پتہ نہیں چلتا کہ ابوہریرہ کی کنیت کی کیا وجہ ہے۔ عربی میں ابو باپ کے معنی کے علاوہ بھی اور معنے میں آتا ہے۔ ........ مثلاً عرب میں لکڑہارے کو ابو الحطب کہیں گے یا داڑھی والے کو ابو اللحیہ اگر ہریرہ ان کی لڑکی کا نام نہ تھا تو اس کے لفظی معنی بلے کے بچے کے ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ابوہریرہ کی کنیت اس واسطے پڑگئی ہو کہ ابوہریرہ نے حسب عادت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بیان کی کہ ایک مسلمہ پر اللہ تعالےٰ نے اس وجہ سے عذاب کیا کہ اُس نے بلی کو بھوکا مار دیا تھا۔ اس حدیث کو جب حضرت عائشہ نے سُنا تو اُنھوں نے کہا خدا ابوہریرہ پر رحم کرے۔ کیا مومنہ پر ایک بلی کی وجہ سے عذاب ہو سکتا ہے۔ غالباً اس واقعہ نے ابوہریرہ کی کنیت کو مشہور کر دیا ہو۔ مگر روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اپنے لئے یہ کنیت پسند کرتے تھے اور رسول اللہ صلعم کی طرف سے بھی اپنے کو اس کنیت سے پکرواتے تھے۔ اس لئے ممکن ہے کہ جب یہ آنحضرت کی خدمت میں طفل صغیر کی حیثیت سے حاضر کئے گئے ہوں۔ اُس وقت وہ بلی کے بچہ کو گود میں لئے ہوئے تھے اور آنحضرت نے ان کا لقب ابوہریرہ رکھدیا۔ اور رسول اللہ صلعم ایسی کنیت مزاحاً رکھدیا کرتے تھے۔ جیسے ابو تراب۔ مگر اس واقعہ کی کوئی سند نہیں ہے۔ کم سے کم میری نظر سے نہیں گذری۔ قیاس یہ ہے کہ یہ انکی لڑکی کا نام رہا ہو۔ کیونکہ اُن کے داماد بھی حدیثوں کے بڑے راوی ہیں۔ اور ان کا نام غالباً عاصم ہے۔ مگر دقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ان کو ابوہریرہ کیسے پکارا۔

## ابوہریرہ کی حدیثیں

تمام مجموعۂ احادیث میں (میں مسند احمد بن حنبل کو آسانی کے لئے منتخب کرلیتا ہوں) ابوہریرہ کی تعداد حدیث پانچ اور دس ہزار کے درمیان ہے۔ گویا ہر تیسری حدیث کے ذمہ دار ابوہریرہ ہیں۔ یعنی عبداللہ ابن عباس عائشہ اور انس کے مجموعی تعداد سے کچھ اوپر۔ حالانکہ انہیں سے ہر ایک صحابی خود تین چار ہزار حدیثوں کی روایت کے ذمہ دار ہیں۔ ساڑھے تین برس کا زمانہ جو زیادہ تر جنگ کرج و مرج کا زمانہ تھا۔ جبکہ رسول اللہ صلعم نے مشکل سے مدینہ میں جم کر ایک ماہ بھی قیام نہ کیا ہوگا۔ اس عرصے

میں ابو ہریرہ کی بہ کثرت روایت نہایت شک و شبہ سے دیکھی گئی۔ خود حدیثوں سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ

"عروہ میں الزبیر سے روایت ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا تم تعجب نہیں کرتے۔ ابو ہریرہ میرے حجرے کے ایک طرف بیٹھے حدیث بیان کرنے لگے۔ رسول اللہ صلعم سے۔ میں سن رہی تھی۔ لیکن میں تسبیح پڑھتی تھی اور قبل اس کے کہ میں ان کو ٹوکوں اور ان کی تردید کروں وہ میرے فارغ ہونے سے پہلے ہی چلدئے۔ اگر میں ان کو پاتی تو اس کا رد کرتی۔ کیونکہ رسول اللہ صلعم نے اس طرح حدیثیں بیان نہیں کیں جسطرح تم بیان کرتے ہو (لم یکن یسرد الحدیث کسردکم) (وہ حدیثیں ایسی آزادی سے بیان نہ کرتے تھے جیسا تم کر رہے ہو) ابو ہریرہ نے کہا لوگ کہتے ہیں ابو ہریرہ نے بہت حدیث بیان کیں اور اللہ تعالے جانچنے والا ہے اور مہاجر اور انصار ابو ہریرہ کی طرح حدیث بیان نہیں کرتے اور میں تم سے اس کا سبب بیان کرتا ہوں۔ میرے جو انصاری بھائی تھے وہ اپنی زمین کی خدمت میں مشغول رہتے۔ اور جو مہاجرین تھے وہ بازار کے معاملے میں۔ اور میں اپنا پیٹ بھر کر رسول اللہ صلعم کے ساتھ رہتا۔ میں حاضر رہتا اور وہ غائب رہتے اور میں یاد رکھتا اور وہ بھول جاتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا۔ کون تم میں سے اپنا کپڑا بچھاتا ہے اور میری حدیث سنتا ہے۔ پھر اس کو سینے میں لگالیوے تو جو بات وہ سُنے گا وہ نہ بھولے گا۔ میں نے اپنی چادر بچھادی۔ یہاں تک کہ آپ حدیث سے فارغ ہوئے۔ پھر میں نے اس چادر کو سینے سے لگالیا۔ اُس دن سے میں نے کسی بات کو جو آپ نے بیان کی نہیں بھولا۔ اور اگر یہ دو آیتیں نہ ہوتیں جو قرآن مجید میں اُتری ہیں تو میں کسی سے کوئی حدیث بیان نہ کرتا۔ ان الذین ما انزلنا من البینات والھدیٰ الیٰ آخرہ۔" (مسلم)

---

الیساہی:-

"ابوذر می نے کہا ابو ہریرہ ہمارے سامنے آئے اور اپنا ہاتھ اپنی پیشانی پر مارا۔ پھر کہا تم کہتے ہو میں جھوٹ بولتا ہوں۔ رسول اللہ صلعم پر کہ تم ہدایت پاؤ اور میں گمراہ ہوں۔ خبردار ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سُنا کہ آپ فرماتے تھے جب تم میں سے کسی کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ جاوے تو وہ دوسری جوتی نہ پہنے جبتک کہ اسکو درست نہ کرلے۔" (مسلم)

اگر یہ ابوذرمی کا مذاق نہیں ہے تو حدیث کی اہمیت ملاحظہ ہو اور اس کے ساتھ یہ عہد۔ سبحان اللہ حتےٰ کہ کعب احبار جو سردفتر مزخرفات اسرائیلیات ہیں اور قیامت تک جن کے مرہون منت ہمارے مفسرین اور داستان گو رہیں گے وہ بھی ابو ہریرہ کی حدیث سے گھبرا جاتے تھے۔ چنانچہ جب ابو ہریرہ نے یہ روایت بیان کی:-

"رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل کا ایک گروہ گم ہو گیا تھا۔ معلوم نہ ہوا وہ کہاں گیا اور میں سمجھتا ہوں شاید وہ گروہ چوہوں میں مسخ ہو گئے۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو جب چوہوں کے لئے اونٹ کا دودھ رکھو تو وہ نہیں پیتے اور جب بکری کا دودھ رکھو تو پی لیتے ہیں۔ (مسلم)

کعب احبار نے ابو ہریرہ سے تعجب سے پوچھا کہ کیا تم نے واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا۔ انھوں نے

کہا ہاں۔ پھر اُنھوں نے پوچھا۔ پھر پوچھا۔ پھر کئی بار پوچھا۔ ابوہریرہ نے کہا تو کیا میں توریت پڑھتا ہوں۔ (مسلم)

عبداللہ بن عمر سے لوگوں نے سوال کیا کہ تم بھی ابوہریرہ کی طرح حدیثیں کیوں نہیں بیان کرتے۔ اُنھوں نے کہا ابوہریرہ میں جسارت ہے اور ہم میں نہیں ہے۔ اور حقیقت امر یہ ہے کہ ان کی جسارت کا یہ حال تھا کہ بعض اوقات جب سننے والوں کی جرح سے تنگ ہوتے تو اپنی بیان کردہ حدیث سے صاف انکار کرجاتے۔ چنانچہ

"ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بیماری نہیں لگتی اور ابوسلمہ یہ حدیث بھی بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ لایا جاوے بیمار اونٹ تندرست اونٹ کے پاس۔ ابوسلمہ نے کہا ابوہریرہ ان دونوں حدیثوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے تھے۔ پھر بعد اُس کے اُنھوں نے یہ حدیث کہ بیماری نہیں لگتی۔ اسکو چھوڑ دیا بیان کرنا اور یہ بیان کرتے رہے کہ نہ لایا جاوے بیمار اونٹ تندرست اونٹ پر۔ تو حارث بن ابی ذباب نے جو ابوہریرہ کے چچازاد بھائی تھے۔ ان سے کہا اے ابوہریرہ ہم سنا کرتے تھے تم سے اس حدیث کے ساتھ دوسری ایک حدیث بھی بیان کرتے تھے اب تم اس کو بیان نہیں کرتے وہ یہ حدیث ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیماری نہیں لگتی۔ ابوہریرہ نے انکار کیا اور کہا میں اس حدیث کے ساتھ کو نہیں پہچانتا۔ البتہ آپ نے یہ فرمایا ہے کہ نہ لایا جاوے بیمار اونٹ تندرست اونٹ کے اوپر۔ حارث نے ان سے جھگڑا کیا۔ اس میں ابوہریرہ غصہ ہوئے۔ انھوں نے لیش کی زبان میں کچھ کہا۔ حارث سے پوچھا تم سمجھے میں نے کیا کہا۔ حارث نے کہا نہیں۔ ابوہریرہ نے کہا میں نے یہ نہیں کہا کہ میں انکار کرتا ہوں اس حدیث کے بیان پر۔ ابوہریرہ نے کہا میرے عمر کی قسم ابوہریرہ ہم سے اس حدیث کو بیان کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا بیماری لگنا کوئی چیز نہیں ہے۔ پھر نہ معلوم ابوہریرہ اس حدیث کو بھول گئے یا اس حدیث سے اس حدیث کو منسوخ سمجھا۔" (مسلم)

نہ بھولے نہ منسوخ سمجھا تجربہ نے خود ان کو اپنے اونٹ کے بارے میں اسکے خلاف کرنے پر مجبور کیا ہوگا۔ اور وہ بغلیں جھانکنے لگے جب اُن کے عمل کو اُن کے حدیث کے خلاف ظاہر کیا گیا)

مگر عبداللہ ابن عمر نے خوب آڑے ہاتھوں لیا۔ جب اُنھوں نے یہ حدیث بیان کی:-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کتا پالے بجز ریوڑ کے کتے یا شکار یا کھیت کے اسکے ثواب میں ہر روز گھاٹا ہوگا" (مسلم)

زہری نے کہا ابن عمر سے ذکر ہوا کہ ابوہریرہ اپنی روایت میں کھیت کے کتے کو مستثنےٰ کرتے ہیں تو اُنھوں نے کہا۔ رحم کرے اللہ ابوہریرہ پر البتہ وہ کھیت والے تھے۔

ایسا ہی ہے جب ابوہریرہ نے یہ حدیث بیان کی:-

"جو شخص کسی کے جنازے میں شریک ہوتا ہے۔ اس کو ایک قیراط کا ثواب ملتا ہے۔ اور قیراط کا وزن ایک پہاڑ کے برابر ہے"

تو ابن عمر نے سن کر کہا "ابوہریرہ کو حدیث بنانے کی عادت ہے"

ایک بار ابوہریرہ نے یہ حدیث بیان کی :-

"قسم ہے کعبے کے رب کی۔ یہ بات کہ جو کوئی صبح کرے جنابت کی حالت میں وہ افطار کرے۔ میں نے نہیں کی بلکہ محمد صلعم نے کہی۔" (مسلم)

اس پر ابی بکر بن عبدالرحمٰن نے کہا کہ میرے باپ عبدالرحمٰن تو اس روایت سے انکار کرتے ہیں۔ اور ہم دونوں حضرت عائشہ اور ام سلمہ کے پاس گئے۔ اور عبدالرحمٰن نے ان سے پوچھا تو دونوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم کو حالت جنابت میں صبح ہو جاتی تھی اور پھر روزہ رکھتے تھے اور جنابت بغیر احتلام کے ہوتی تھی۔ ابی بکر نے کہا۔ پھر ہم مروان کے پاس گئے۔ اور عبدالرحمٰن نے ان سے ذکر کیا۔ سو مروان نے کہا میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ تم ابوہریرہ کے پاس جاؤ اور اُن کی بات کا جواب دو۔ پھر ہم ابوہریرہ کے پاس آئے اور ابو بکر ان سب باتوں میں حاضر تھا اور ذکر کیا عبدالرحمٰن نے تو ابوہریرہ نے کہا کہ ان دونو بیبیوں نے یہ فرمایا تم سے۔ اُنھوں نے کہا ہاں تو انھوں نے کہا بے شک وہ اور لوگوں سے زیادہ جانتی ہیں۔ پھر ابوہریرہ نے اس قول کی نسبت فضل بن عباس سے کی اور کہا کہ میں نے یہ بات فضل سے سنی تھی اور اقرار کیا کہ اس کو اُنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سُنا۔ ابن جریج نے کہا میں نے اسکا تذکرہ عبدالملک سے کیا۔ (مسلم)

مگر اکثر ابوہریرہ دوسرے صحابیوں کی روایت بیان کرنے میں کبھی اس کا اقرار نہیں کرتے اور اس طرح بیان کرتے ہیں۔ گویا اُنھوں نے اپنے کانوں سے سُنا ہے۔ حدیث میں ان کی بیشتر وہ روایتیں ہیں جو کہ کے زمانے کے واقعات ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ اُس کے براہِ راست راوی نہیں ہو سکتے۔ مگر انھوں نے کنایات میں اُس شخص کا نام نہیں لیا۔ جس سے اُنھوں نے سُنا ہے۔ اور طرہ یہ کہ اُس میں ایجاد بندہ بھی کر دیتے ہیں۔ مثلاً

رسول اللہ صلعم کا یہ قول کہ کوئی تم میں سے کھڑے ہو کر پانی نہ پیئے۔ ابو سعید۔ انس نے بیان کیا ہے اگرچہ ابن عباس نے رسول اللہؐ کو کھڑے ہوئے پانی پیتے دیکھا ہے۔ مگر ابوہریرہ نے اپنی روایت میں کہا۔ اور چند جملے بڑھا کر اس کو مضحکہ خیز بنا دیا۔

یعنی اُنھوں نے رسول اللہ صلعم سے یہ بھی روایت کی کہ "اور جو بھولے سے پی لے تو قے کر ڈالے" ظاہر ہے کہ ایسا لغو اور مہمل حکم آنحضرت کا نہیں ہو سکتا۔

غرضکہ ابوہریرہ کی بے باکی سے لوگ اس قدر خائف ہو گئے کہ اگر وہ معقول حدیث بھی بیان کرتے تو لوگ اس پر دھیان نہ دیتے۔ چنانچہ جب اُنھوں نے یہ حدیث بیان کی :-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کسی کا ہمسایہ اُسکی دیوار پر لکڑیاں رکھنے کی اجازت مانگے تو اس کو منع نہ کرے۔" (مسلم)

تو لوگوں نے اس حدیث کو سن کر اپنا منہ پھیر لیا۔ ابوہریرہ نے یہ دیکھ کر کہا۔ کیوں کیا ہوا۔ میں

دیکھتا ہوں تم اس حدیث سے منھ پھیرتے ہو۔ قسم خدا کی میں اس حدیث کو تمہارے مونڈھوں پر ماروں گا۔

اُن کی نامعقول بات پر لوگ سبحان اللہ پکارتے تھے۔ چنانچہ جب اُنھوں نے یہ حدیث بیان کی:

"رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص ایک بیل ہانک رہا تھا اوس پر بوجھ لادے ہوئے۔ تو بیل نے اُسکی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔ میں اس لئے پیدا نہیں ہوا۔ میں تو کھیت کے واسطے پیدا ہوا ہوں۔" (مسلم)

لوگوں نے یقین نہ کیا اور اُنھوں نے کہا سبحان اللہ۔ حتےٰ کہ رسول اللہ صلعم کی زبان مبارک میں بھی انکے قول پر اعتبار نہ کیا جاتا تھا۔ اور حضرت عمر نے ایک بار اُن کی روایت کرنے پر زدوکوب بھی کیا۔ جیسا خود اُنھوں نے اپنی اس حدیث میں بیان کیا ہے:

"ہم بیٹھے تھے گرد رسول اللہ صلعم کے اور ہمارے ساتھ ابوبکر اور عمر بھی تھے منجملہ اور آدمیوں کے۔ اتنے میں رسول اللہ صلعم نے پھر دیر لگائی ہمارے پاس پھر آنے میں۔ تو ہم کو ڈر ہوا کہ کہیں دشمن آپ کو نہ ستادیں اکیلا پاکر۔ ہم گھبرا گئے اور اُٹھ کھڑے ہوئے سب سے پہلے میں گھبرایا۔ تو میں نکلا اُنکو ڈھونڈھنے کیلئے اور بنی نجار کے باغ پر پہونچا۔ اس کے چاروں طرف پھرا دروازہ کو دیکھتا ہوا کہ دروازہ پاؤں تو اندر جاؤں مگر دروازہ نہ ملا۔ دیکھا تو ایک نالی باغ کے اندر جاتی ہے۔ باہر کے کھیتوں سے میں گھسا اس میں سمٹ کر جیسے لومڑی گھستی ہے۔ اور رسول اللہ صلعم کے پاس پہونچا۔ آپ نے فرمایا ابوہریرہ۔ میں نے کہا جی ہاں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا کیا حال ہے تیرا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ہم لوگوں میں تشریف رکھتے تھے۔ پھر آپ تشریف لیگئے۔ اور آپ نے دیر لگائی آنے میں۔ تو ہم کو ڈر ہوا کہ کہیں دشمن آپ کو نہ ستادیں ہم سے جُدا دیکھ کر۔ ہم سب گھبرا گئے اور سب سے پہلے میں گھبرا اُٹھا اور اس باغ میں پھر آیا تو اس طرح سمٹ کر گھس آیا جیسے لومڑی اپنے بدن کو سمیٹ کر گھس جاتی ہے اور یہ سب لوگ آتے ہیں میرے پیچھے۔ آپ نے فرمایا اے ابوہریرہ اور عنایت کیں مجھکو اپنی جوتیاں اور فرمایا یہ دونوں جوتیاں میری لیکر جا اور جو کوئی تجھ سے ملے اس باغ کے پیچھے اور وہ گواہی دیتا ہو اس بات کی کہ کوئی برحق معبود نہیں سوا خدا کے۔ دل سے یقین رکھتا ہو اس بات پر تو اس کو خوشخبری دے کہ اس کے لئے جنت ہے۔ ابوہریرہ نے کہا میں جوتیاں لیکر چلا تو سب سے پہلے ملا عمر سے۔ اُنھوں نے پوچھا یہ جوتیاں کیسی ہیں اے ابوہریرہ۔ میں نے کہا یہ جوتیاں ہیں رسول اللہ صلعم کی۔ آپ نے یہ مجھکو دیکر بھیجا ہے کہ میں جس سے ملوں اور وہ گواہی دیتا ہو لاالہ الااللہ کی دل سے یقین کرکے۔ خوشخبری دوں اُسکو جنت کی۔ یہ سنکر حضرت عمر نے ایک ہاتھ میرے چھاتیوں کے بیچ میں مارا کہ میں سر کے بل گر پڑا۔ پھر کہا لوٹ جا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف اے ابوہریرہ میں لوٹا رسول اللہ صلعم کی طرف۔ اور تیار تھا رونے پر۔ میرے ساتھ عمر بھی آپہونچے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کیا ہوا تم کو اے ابوہریرہ۔ میں نے کہا میں عمر سے ملا اور جو پیام آپ نے مجھکو دیکر بھیجا تھا پہونچایا۔ اُنھوں نے میری چھاتیوں کے بیچ میں مارا ایسا کہ میں سر کے بل گر پڑا اور کہا کہ لوٹ جا۔ رسول اللہ صلعم نے حضرت عمر سے کہا تونے ایسا کیوں کیا۔ اُنھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ قربان ہوں آپ پر میرے ماں باپ۔ آپ نے بھیجا تھا ابوہریرہ کو اپنی جوتیاں دیکر کہ جو شخص ملے اور وہ گواہی دیتا ہو لاالہ الااللہ کی دل سے یقین رکھ کر تو خوشخبری دے اس کو جنت کی۔

رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ ہاں۔ حضرت عمر نے کہا تو ایسا نہ کیجئے۔ میرے ماں اور باپ آپ پر صدقے ہوں کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ لوگ اس پر تکیہ کر بیٹھیں گے اونکو عمل کرنے دیجئے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا انکو عمل کرنے دے"۔ (مسلم)

ابوہریرہ کو شاید یہ مار یاد تھی کہ جب اُن سے کسی نے سوال کیا کہ کیا تم حضرت عمر کے زمانے میں بھی ایسے ہی بیباکی سے حدیثیں بیان کرتے تھے تو اُنھوں نے کہا کہ وہ مجھے درے سے پیٹ ڈالتے۔ مگر بایںہمہ اس دلیری کو تو دیکھو باوجودیکہ وہ مدینہ میں بہت آخری زمانے میں رسول اللہ صلعم سے ملے وہ اس روایت میں یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ واقعہ اُن کے سامنے گذرا ہے۔ حالانکہ یہ واقعہ مکہ کا ہے۔ اور اُس وقت کا جب آنحضرت کفار کے نرغے میں تھے پھر دلیری پر دلیری یہ کہ حضرت عمر کے سامنے اپنا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ روایت یوں ہے:۔

"(حضرت) عمرؓ حسان بن ثابت پر گذرے۔ وہ مسجد میں شعر پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر نے ان کی طرف دیکھا حسان نے کہا میں تو مسجد میں شعر پڑھتا تھا جب مسجد میں تم سے بہتر شخص موجود ہے۔ پھر ابوہریرہ کی طرف دیکھا اور کہا میں تمکو اللہ کی قسم دیتا ہوں۔ تم نے رسول اللہ صلعم سے سُنا ہے۔ آپ فرماتے تھے۔ میری طرف سے جواب دے اے حسان۔ یا اللہ مدد کر انکی رُوح القدس سے۔ ابوہریرہ نے کہا ہاں میں نے سُنا ہے۔ یا اللہ تو جانتا ہے"۔ (مسلم)

غالباً ابوہریرہ خود اپنے دل میں جانتے تھے کہ ان کی روایت کی کیا وقعت ہے۔ ورنہ وہ اس طرح کی قسمیں روایت بیان کرکے نہ کھاتے۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عراق کا ملک اپنے درم اور کو روکے گا۔ اور شام کا ملک اپنے مدادر دینار کو اور مصر کا ملک اپنے اردب کو روکیگا اور ہو جاؤ گے جیسے تم آگے تھے۔ (مسلم)

ابوہریرہ نے آخری الفاظ کو چار بار دہرایا۔ اور پھر یہی خوف تھا کہ شاید لوگوں کو اس پر بھی باور نہ ہو تو فرماتے ہیں اس حدیث پر ابوہریرہ کا گوشت اور خون گواہی دیتا ہے۔

یا وہ بعض اوقات قرآن کی آیتوں کی مدد لیتے۔ خواہ وہ روایت پر چسپاں ہوں یا نہ ہوں۔ مثلاً

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قسم ہے اُس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ البتہ قریب ہے جب اتریں گے عیسے ابن مریم تم لوگوں میں اور حکم کریں گے موافق اس شریعت کے اور انصاف کرینگے اور توڑ ڈالیں گے اُس صلیب کو جو نصاریٰ نے تیار کی ہے اور مار ڈالیں گے سور کو اور موقوف کر دینگے جزیہ کو اور بہت دینگے مال کو یہاں تک کہ کوئی نہ لیگا۔ پھر ابوہریرہ کہتے تھے اگر تمہارا جی چاہے تو یہ آیت پڑھ لو۔ وان من اہل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ الی اٰخرہ ط۔ (مسلم بخاری)

اس کی بحث تو میں آیندہ اپنے مضمون "دجال" میں کروں گا کہ نزول عیسیٰ کی حقیقت کیا ہے۔ اور اسلام میں یہ روایت کیونکر آئی۔ یہاں پر اس قدر کافی ہوگا کہ ابوہریرہ نے جو آیت قرآن شریف کی نقل کی ہے۔ وہ انکی روایت کی ہرگز تصدیق نہیں کرتی۔

اگر کسی صحابی سے ایسی روایت مروی ہوں کہ آنحضرت کیسے نماز پڑھتے تھے۔ کس طرح زندگی بسر کرتے تھے کیا کھاتے کیا پیتے تھے تو اس کے ماننے میں کسی دلیل و قیاس کی حاجت نہیں۔ حتیٰ کہ میں غزوات و معجزات کے واقعات بھی بشرطیکہ متواتر اور کئی صحابیوں سے مروی ہوں ماننے کو تیار ہوں۔ مگر ان روایتوں کو ماننا میرے امکان سے باہر ہے۔ وہ باتیں۔ جن کا خود علم رسول اللہ کو بغیر وحی والہام کے نہیں ہو سکتا۔ مثلاً آثار قیامت۔ بنی اسرائیل کے قصص یا عالم مابعد کی کیفیت یا جزا و سزا کی حدیثیں۔ اگر یہ باتیں کسی صحابی کی حدیث میں کثرت سے مروی ہیں اور قرآن ان سے بالکل خاموش ہے تو وہ دو حالت سے خالی نہ ہوں گی۔ یا تو وہ باتیں ان نومسلموں کی ہیں جو پہلے یہود و نصاریٰ تھے۔ اُنھوں نے روایت کی اور ان کو کسی صحابی کے نام سے موسوم کر دیا یا خود صحابی سے سن کر روایت کی۔ یا پھر رسول اللہ صلعم نے فرمائی اور صحابی نے لامحالہ سنی اور سلسلہ بہ سلسلہ اس کی سند بخاری اور مسلم کو پہونچا دی۔ ایسی صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ آنحضرت نے اگر وحی سے معلوم نہ کیں تو یہودیوں اور عیسائیوں کی محبت نے ان کو سکھا دیا اور یہ ظاہر ہے کہ اگر وحی ہوتی تو قرآن میں اس کا ذکر ضرور ہوتا۔ دوسری صورت کو آنحضرت کی طرف منسوب کرنے میں خصوصاً جبکہ روایت اس طرح کی ہوں کہ وہ ان ادنیٰ قسم کے یہودیوں اور عیسائیوں کی افواہی باتیں ہوں۔ جن کا خود اپنے مذہبی معلومات میں سچا ہونا ثابت کریں۔ کم سے کم میری ہمت نہیں پڑتی۔ لیکن افسوس ہمارے شیخ نے ان حدیثوں سے بہت کم اعتنا کیا ہے جو آنحضرت کی معاشرت۔ حسن اخلاق و تہذیب و عبادات وغیرہ پر روشنی ڈالتی ہیں اور اگر ایسی روایتیں ہیں تو وہ درحقیقت اور صحابیوں کی روایتوں کا اعادہ ہیں۔ مگر جتنی ابوہریرہ کی روایتیں ہیں وہ آثار قیامت۔ اسرائیلیات اور عالم مابعد کی سزا و جزا والی حدیثیں ہیں جنکو ہم "واعظیات" سے موسوم کریں گے ان تینوں قسم کی حدیثوں کا تجزیہ کرنے کے بعد میں اس مضمون کو ختم کر دوں گا۔

## ابوہریرہ کی آثار قیامت والی حدیثیں

ایسی روایتیں مسلم اور بخاری میں ابوہریرہ سے کثرت سے مروی ہیں مگر خیریت ہے ان میں کوئی واقعہ ایسا نہیں جو ابوہریرہ کے زمانہ کا واقعہ نہ ہو۔ اور جہاں پر اُنھوں نے زیادہ دور کی لی ہے اس امید پر کہ قرآن سے انکا بیان کردہ واقعہ سچ ہو جائیگا وہ حدیث واقعات کی تکذیب کر رہی ہے۔ مثلاً ان کی یہ مشہور حدیث کہ

"رسول اللہ صلعم نے فرمایا کسریٰ مر گیا۔ اب اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا۔ اور جب قیصر مر جائیگا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا۔ قسم اُسکی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے تم ان دونوں کے خزانے خدا کی راہ میں خرچ کرو گے۔ (مسلم)۔

دیکھو اس پیشین گوئی کا دوسرا حصہ خلاف توقع پورا نہ ہوا۔ قیصر اور اس کے بعد صدہا قیصر ہوئے۔ ظاہری قرائن تو یہی تھے کہ جس وقت معاویہ کے زمانے میں عرب قسطنطنیہ کا محاصرہ کر رہے تھے قیصریت کا خاتمہ ہو جاتا۔ مگر قیصر اُسوقت بھی باقی رہے جبکہ خود عربوں کی سلطنت ختم ہو چکی تھی۔

فتنہ شہادت عثمانؓ یا عبداللہ بن زبیر کے واقعات کو آثار قیامت کی پیشین گوئیوں میں اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریب ہے کہ فتنے ہوں گے۔ جن میں بیٹھنے والا بہتر ہوگا کھڑے ہونے والوں سے اور کھڑا رہنے والا بہتر ہوگا چلنے والے سے اور چلنے والا بہتر ہوگا دوڑنے والے سے جو اس کو جھانکیگا تو وہ اس کو کھینچ لیگا اور جو کوئی پناہ کا مقام یا بچاؤ کی جگہ پاوے تو چاہیئے کہ اس پناہ میں آجاوے۔ (مسلم)

اسی طرح حبیب معاویہ نے رومیوں پر فوج کشی کی اور اس کے بعد صلح کرلی۔ اس کو آثار قیامت کی پیشگوئی بنا کر اس طرح پیش کیا ہے:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت قائم نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ روم کے نصاریٰ کا لشکر اعماق یا دابق میں اترے (یہ مقام حلب کے قریب ہے اور جب معاویہ سے لڑنے کیلئے روم کا لشکر سرحد شام پر جمع ہوا تھا تو اسی مقام کی قلعہ بندی کی تھی) پھر مدینہ میں ایک لشکر نکلے گا انکی طرف جو ان دنوں تمام زمین والوں میں سے بہتر ہوگا۔ پھر جب صف باندھیں گے دونوں لشکر تو نصاریٰ کہیں گے تم الگ ہو جاؤ ان لوگوں سے جنھوں نے ہمارے جورو لڑکے پکڑے۔ اور لونڈی غلام بنائے۔ ہم ان سے لڑیں گے۔ مسلمان کہیں گے۔ نہیں خدا کی قسم ہم اپنے بھائیوں سے کبھی الگ نہ ہوں گے۔ پھر لڑائی ہوگی تو مسلمانوں کا ایک تہائی لشکر بھاگ نکلے گا۔ انکی توبہ کبھی اللہ تعالےٰ قبول نہ کرے گا۔ اور تہائی لشکر مارا جاوے گا۔ وہ سب شہیدوں میں افضل ہوں گے خدا کے پاس۔ اور تہائی لشکر کو فتح ہوگی۔ پھر وہ قسطنطنیہ کو فتح کرینگے تو وہ لوٹ کے مالوں کو بانٹ رہے ہوں گے اور اپنی تلوار انکو زیتون کے درختوں میں لٹکا دیا ہوگا ....... وغیرہ وغیرہ۔ (مسلم)

اس کے بعد ابوہریرہ نے تخیل کی باگ کو ذرا ڈھیلا کر دیا اور عیسیٰ اور دجال تک لے اُڑے اور حسب عادت سب رطب و یابس آنحضرت پر تھوپ دیا۔ لیکن ابوہریرہ نے ذرا جلدی کی۔ معاویہ نے قسطنطنیہ کا محاصرہ ضرور کیا۔ مگر سردی کے باعث فتح نہ کر سکے۔ اور لشکر اسلام اسکدار سے واپس چلا آیا اور پھر عربوں نے کبھی قسطنطنیہ فتح نہ کیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابوہریرہ کے زمانے میں شمالی حجاز میں کوئی آتش فشاں بھی پھوٹ نکلا تھا۔ اب خیبر کے حوالی اس کا پتہ دیتے ہیں کہ اس کے قرب میں کوئی آتش فشاں پہاڑ تھا جو پھوٹ کر خاموش ہوگیا (دیکھو ڈاوتی کا سفرنامہ عرب) اس کو بھی انھوں نے آثار قیامت میں بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت قائم نہ ہوگی۔ یہانتک کہ نکلیگی اک آگ حجاز کے ملک سے روشن کردے گی بصرے کے اونٹوں کی گردنوں کو۔" (مسلم)

(نووی نے کہا ہے کہ یہ آتش فشانی ان کے زمانے یعنی ۶۵۴ھ ہجری میں بھی ہوئی تھی۔ اور بہت بڑی

آگ تھی مدینہ کے مشرقی کنارہ سے حرہ کے پرے تک تاریخ مدینہ میں مذکور ہے کہ اول چند روز مدینہ میں برابر زلزلہ رہا لوگوں نے جانا کہ قیامت آئی۔ پھر ایک طرف زمین پھٹ گئی۔ اس میں سے سربلند آگ نکلی چالیس دن تک قائم رہی اور پتھر اس آگ سے جلتا تھا مگر گھاس نہ جلتی تھی۔ سینکڑوں کوس تک اسکی روشنی تھی۔ آخری زمانہ سلطنت عباسیہ میں یہ ماجرا گذرا ہے)

ادنے اونے واقعہ کو بھی وہ آثار قیامت میں بیان کرتے تھے۔ ججاہ قحطانی نے آنحضرت کے عصائے مبارک کو توڑ ڈالا تھا۔ (شاید لوگوں کو مار کر) اسکی حدیث اس طرح بیان کرتے ہیں:-

"قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ ایک شخص قحطان کا نکلیگا جو لوگوں کو لکڑی سے ہانکیگا۔
دن اور رات ختم ہوں گے یہاں تک کہ اور ایک شخص بادشاہ ہوگا۔ جسکو ججاہ کہیں گے"۔

حضرت عثمان کے زمانے میں ہی لشکر اسلام خراسان سے گذر کر سغد پہونچ چکا تھا اور اسلامی عسکر کا مقابلہ وحشی مغلوں اور ترکوں سے ہو چکا تھا ابوہریرہ اپنے گھر پر بیٹھے اس جنگ کا حال سُن رہے تھے۔ جھٹ ترکوں کے بارہ میں بھی ایک آثار قیامت کی حدیث گھڑ ڈالی۔ یعنی

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت قائم نہ ہوگی۔ جبتک کہ تم لڑوگے ایسے لوگوں سے جنکے منھ ڈہالوں جیسے چپٹے ہوں گے اور قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ تم لڑوگے ایسے لوگوں سے جنکے جوتے بالوں کے ہونگے۔ (مسلم)

قسطنطنیہ کا محاصرہ سختی سے جاری تھا۔ مگر فتح نہ ہوتا تھا خلیفہ نے کہا ابوہریرہ تم عسکر کی ہمت کسی ترکیب سے بڑہا سکتے ہو۔ اُنھوں نے کہا یہ کونسی بڑی بات ہے۔ لیجیے ایک حدیث:-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم نے سُنا ہے ایسا شہر جس کے ایک جانب خشکی ہو اور ایک جانب سمندر ہے۔ انھوں نے کہا ہاں یارسول اللہ ہم نے سُنا ہے (یعنی قسطنطنیہ) آپ نے فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ لڑیں گے اس شہر سے[1] ستر ہزار بنی اسحاق کے لوگ۔ سو جب اس شہر کے پاس آوینگے تو اتر پڑیں گے سو ہتیار سے نہ لڑیں گے۔ اور نہ تیر مارینگے۔ لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کہیں گے تو اس کی ایک طرف کی دیوار جو دریا میں ہے گر پڑے گی۔ پھر دوسری بار لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کہیں گے تو اس کی دوسری طرف کی دیوار گر پڑیگی۔ پھر تیسری بار لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کہیں گے تو ہر طرف سے کھل جاوے گا۔ سو اس شہر میں گھس پڑیں گے۔ اور لوٹیں گے سب لوٹ کا مال۔ وغیرہ" (مسلم)

دیکھو ا[…] یحا[…] کی قصہ بائبل کو کہاں چسپاں کیا۔ معلوم نہیں۔ یہ ترکیب بھی عمل میں

---

[1] بنی اسحاق کے لوگ لڑیں گے۔ یا بنی اسحاق سے لوگ لڑیں گے۔ آخری جملہ صحیح ہے۔ اس لئے کہ اسحاق قیاصرہ قسطنطنیہ کا نام تھا الیکا پور[…] [...]رہا ہے۔

لائی گئی۔ اور اس کا کیا نتیجہ ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب ابوہریرہ کی حدیث صحیح نہ ثابت ہوئی تو اُنھوں نے لامعلوم زمانہ بنانے کے لئے آخر میں دجال کا ذکر کر دیا۔

مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنی سیرۃ نبوی میں نہایت جوش و خروش سے ابوہریرہ کی ایک حدیث نقل کی ہے۔ جو نسائی میں ہے۔ اور جس میں فتح ہندوستان کی بشارت ہے۔ جوش و خوش عقیدگی میں وہ تاریخ سے بھٹک کر فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ نسائی نے قبل فتح محمود غزنوی کے لکھا ہے اور اس واسطے صحیح ہے سبحان اللہ، ہندوستان پر محمد قاسم کا حملہ کئی سو سال قبل کا واقعہ ہے اور یہ زمانہ حجاج کا تھا۔ عین اُسی وقت جبکہ ابوہریرہ آثار قیامت کی احادیث شائع کر رہے تھے۔ مسلمان جہاد میں اپنی جانیں نثار کر رہے تھے۔ ابوہریرہ جنھوں نے کبھی تلوار نہیں اُٹھائی کیا اتنا بھی نہ کرتے کہ بیٹھے بیٹھے واقعات جنگ کو مجاہدین کی ہمت افزائی کے لئے بشارت و آثار قیامت میں منتقل کرتے رہیں۔

## ابوہریرہ کی اسرائیلیات

ابوہریرہ سے کثرت سے بنی اسرائیل کے عجیب و غریب واقعات مروی ہیں بعض عجائب تو ایسے ہیں جن میں تھوڑی بہت بائبل اور تالمود کی صدائے بازگشت ہے۔ اور اس کو شاید اُنھوں نے کعب احبار یا کسی اور بے علم یہودی سے لیکر روایت کیا ہے۔ اور بعض وہ جن کا کوئی سر پیر نہیں ہے۔ ان میں زیادہ تر وہ مہمل قصے ہیں۔ جو یا تو خود ان کے دماغ و عقل کی کارستانی ہے یا سوق اہل کتاب کی۔ میں تھوڑی سی حدیثیں بہ طور نمونہ صحیحین سے نقل کرتا ہوں۔

۱۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت پسلی کی ہڈی سے پیدا ہوئی ہے۔ وہ کبھی تجھ سے سیدھی چال نہ چلیگی۔ پھر اگر تو اس سے کام لے تو لئے جا اور وہ ٹیڑھی کی ٹیڑھی رہیگی اور اگر تو سیدھا کرنے چلا تو توڑ ڈالیگا اور توڑنا اسکا طلاق ہے"۔ (مسلم)

بائبل کی روایت ہے کہ حوا آدم کی پسلی سے پیدا کی گئی۔ اس لئے یہ کہاوت کسی یہودی کی ہو سکتی ہے۔ ممکن نہیں کہ رسول اکرم ایسی بات کہیں جو عورتوں کے بارے میں سب سے زیادہ رحیم و مہربان تھے۔

۲۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر حوا نہ ہوتیں تو کوئی عورت اپنے شوہر کی خیانت نہ کرتی۔ (مسلم۔ بخاری)

یہ بھی رسول اللہ پر بہتان ہے

۳۔ "حضرت سلیمانؑ کی ساٹھ بیبیاں تھیں۔ (ایک روایت میں ستر ہے۔ ایک میں نوے۔ ایک میں ننانوے۔ اور ایک میں سو۔ (دیکھو بابُ الغیب!) انھوں نے کہا میں اُنکے پاس ایک رات میں ہو آؤنگا۔ اور سب کو پیٹ رہیگا۔ پھر ہر ایک انمیں سے ایک لڑکا جنے گی جو سوار ہو کر خدائے تعالے کی راہ میں جہاد کرے گا لیکن کوئی حاملہ نہیں ہوئی سوائے ایک عورت کے وہ بھی آدھا بچہ جنی۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر حضرت سلیمان انشاءاللہ کہتے تو ہر ایک عورت ایک لڑکا جنتی اور سوار ہو تا خدائے تعالے کی راہ میں جہاد کرتا ہوا" (مسلم)

بائبل میں سات سو بیبیاں اور تین سو کنیزیں ہیں۔ بقیہ قصہ یہی ہے۔

۴۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاد کیا پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر نے تو اس نے لوگوں سے کہا وہ مرد نہ چلے جس نے نکاح کیا اور وہ چاہتا ہے کہ اپنی عورت سے صحبت کرے۔ اور ہنوز اُس نے صحبت نہیں کی اور نہ وہ شخص جس نے مکان بنایا ہو اور ہنوز اس کی چھت بلند نہ کی ہو۔ اور نہ وہ شخص جس نے بکریاں اور گابھن اونٹنیاں مول لی ہوں اور وہ انکے جنے کا امیدوار ہو۔ پھر اس پیغمبر نے جہاد کیا تو عصر کے وقت یا عصر کے قریب اُس گاؤں کے پاس پہونچا تو پیغمبر نے سورج سے کہا تو بھی تابعدار ہے اور میں بھی تابعدار ہوں یا اللہ اسکو روک دے تھوڑی دیر میرے اوپر پھر سورج رک گیا۔ یہانتک کہ اللہ تعالٰے نے فتح دی اُنکو۔ پھر لوگوں نے اکٹھا کیا جو لوٹا تھا اور آسمان سے آگ اتری اُسکے کھانے کو لیکن اُسنے نہ کھایا۔ پیغمبر نے کہا تم میں سے کسی نے چوری کی ہے۔ تو تم میں ہر گروہ کا آدمی بیعت کرے۔ پھر اس قبیلے نے بیعت کی تو دو یا تین آدمیوں کا ہاتھ پیغمبر سے لگا۔ اور پیغمبر نے کہا تم نے چوری کی ہے۔ پھر اُنھوں نے تل کے برابر سونا نکال کر دیا۔ وہ بھی اس مال میں رکھا گیا۔ زمین پر اور انگارے آئے انکے کھانے کو اور اسکو کھا گئے۔ اور ہم سے پہلے کسی کے لئے لوٹ درست نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ اللہ تعالٰے نے ہماری ضعیفی اور عاجزی دیکھی تو حلال کر دیا ہمارے لئے لوٹ کو۔" (مسلم)

دیکھو بائبل میں یوشع بن نون کے ایک واقعہ پر جو خود بھی مہمل ہے، اس میں کیسی طومار بندی اور حاشیہ آرائی کی ہے کہ "تسلی پھڑک اُٹھی نظر انتخاب کی"۔ سبحان اللہ۔

۵۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو عورتیں جا رہی تھیں۔ اپنا بچہ لئے ہوئے۔ اتنے میں بھیڑیا آیا اور ایک کا بچہ لے گیا۔ ایک نے دوسرے سے کہا تیرا بیٹا لے گیا۔ وہ کہنے لگی تیرا بیٹا لے گیا۔ آخر وہ دونوں اپنا فیصلہ کرانے کو حضرت داؤد کے پاس آئیں۔ اُنھوں نے بچہ بڑی عورت کو دلا دیا۔ پھر وہ دونوں حضرت سلیمان کے پاس آئیں اور ان سے سب حال بیان کیا۔ انھوں نے کہا چھری لاؤ۔ ہم بچے کے دو ٹکڑے کریں گے۔ اور تم دونوں کو دیدیں گے۔ چھوٹی نے کہا اللہ بچہ پر رحم کرے۔ مت کاٹ بچے کو کہ وہ بڑی کا بیٹا ہے۔ حضرت سلیمان نے وہ بچہ چھوٹی کو دلوا دیا۔" (مسلم)

بائبل میں یہ روایت کچھ اختلاف کے ساتھ موجود ہے۔

۶۔ "رسول اللہ صلعم نے فرمایا حضرت ابراہیم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا مگر تین بار۔ دو جھوٹ خدا کے لئے۔ ایک تو انکا یہ قول کہ میں بیمار ہوں اور دوسرا یہ قول کہ ان بتوں کو بڑے بت نے توڑا ہوگا۔ تیسرا جھوٹ حضرت سارہ کے باب میں تھا۔ ان کا قصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم ایک ظالم بادشاہ کے ملک میں پہونچے۔ اُنکے ساتھ انکی بی بی حضرت سارہ بھی تھیں۔ وہ بڑی خوبصورت تھیں۔ اُنھوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ یہ ظالم بادشاہ کو اگر معلوم ہوگا کہ تو میری بیوی ہے تو مجھ سے چھین لیگا۔ اس لئے اگر وہ پوچھے تو یہ کہ میں اُس شخص کی بہن ہوں۔ اور تو اسلام کے رشتہ سے میری بہن ہے۔ اسلئے کہ ساری دنیا میں آج میرے اور تیرے سوا کوئی مسلمان معلوم نہیں ہوتا۔ جب حضرت ابراہیم اس ظالم کے ملک میں پہونچے تو اسکے کارندے اسکے پاس گئے اور بیان کیا کہ تیرے ملک میں ایک ایسی عورت آئی ہے۔ جو سوا تیرے کسی کے لائق نہیں۔ اس نے حضرت سارہ کو بلا بھیجا۔ وہ گئیں اور حضرت ابراہیم نماز کے لئے کھڑے ہوئے جب سارہ اس ظالم کے پاس پہونچیں۔ اسنے اپنا ہاتھ بے احتیاط انکی طرف دراز کیا۔ اسکا ہاتھ سوکھ گیا۔ تب وہ بولا تو خدا سے دعا کر میرا ہاتھ

کھلیا دے۔ اُنھوں نے دعا کی۔ پھر اس نے دست درازی کی پھر دونوں ہاتھ اول بار سے بڑھ کر سوکھ گئے۔ تب وہ بولا تو خدا سے دعا کر۔ میرا ہاتھ کھلیا دے۔ خدا کی قسم میں اب تم کو نہ ستاؤں گا۔ حضرت سارہ نے پھر دعا کی۔ پھر اُس کے ہاتھ کھُل گئے۔ تب اس نے اس شخص کو بلایا جو حضرت سارہ کو لیکر آیا تھا اور اس سے کہا تو میرے پاس اس شیطانہ کو لیکر آیا۔ یہ آدمی نہیں ہے۔ اسکو میرے ملک سے باہر نکال دے۔ اور ہاجرہ ایک لونڈی اس کے حوالے کر دی۔ حضرت سارہ ہاجرہ کو لیکر آئیں۔ ابراہیم نے انکو دیکھا تو ہنسے اور ان سے پوچھا کیا ہوا۔ اُنھوں نے کہا سب خیریت رہی۔ اللہ تعالےٰ نے اس بدکار کے ہاتھ سے مجھکو روک دیا اور ایک لونڈی بھی دلائی۔ ابوہریرہ نے کہا پھر یہی لونڈی ہاجرہ تھی تمہاری ماں اے بارش کے بچو" (مسلم۔ بخاری)

دیکھو ملک جرار اور یعقوب کے قصے کو کہاں سے کہاں پہونچایا۔ اور اس کے بعد عربوں کو لونڈی بچہ بنانے میں یہود کا کیسا ساتھ دیا۔

۷۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ فرماوے گا قیامت کے دن اے آدم کے بیٹے میں بیمار ہوا تو نے میری خبر نہ لی۔ وہ کہے گا اے پروردگار میں تیری خبر کیونکر لیتا۔ تو ایک ہے سارے جہاں کا۔ پروردگار فرماویگا تجھ کو معلوم نہیں میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تھا تو نے اُسکی خبر نہ لی۔ اگر تو اس کی خبر لیتا۔ تو مجھکو پاتا اسکے نزدیک۔ تجھ سے کھانا مانگا تو نے اُسے نہ کھلایا۔ اگر تو اس کو کھلاتا اس کا ثواب میرے پاس پاتا۔ اے آدم کے بیٹے میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے پانی نہ پلایا۔ بندہ بولے گا میں تجھے کیونکر پلاتا تو مالک ہے سارے جہان کا۔ پروردگار فرماوے گا۔ میرے فلانے بندے نے تجھ سے پانی مانگا تو نے اس کو نہیں پلایا۔ اگر تو اس کو پلاتا تو اس کا بدلہ میرے پاس پاتا۔" (مسلم)

تھوڑے الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ بالکل۔ یہی قول حضرت مسیح کا انجیل میں مرقوم ہے۔ ابوہرہ کی استادوں میں کعب احبار ہی نہ تھے۔ بلکہ بعض نومسلم نصرانی بھی تھے۔ غالباً تمیم الداری یا حبیب رومی میں سے کوئی۔

۸۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی تم میں سے اپنے بھائی سے لڑے تو اس کے منھ سے بچا رہے۔ اسلئے کہ اللہ تعالےٰ نے آدمی کو اپنی صورت پر بنایا ہے۔" (مسلم)

یہ بھی بائبل کا قول ہے اور یہود خدا کو انسانی ہیولے مانتے۔ حتیٰ کہ اُسکی لمبی سفید براق داڑھی کا بھی ذکر بائبل میں موجود ہے۔ نووی نے اسکی تاویل میں کئی صفحات سیاہ کئے ہیں۔ مگر ہماری تاویلوں کی ایک تاویل ان کو نہ سوجھی کہ یہ قول ابوہریرہ اور ان کے ہم جلیس یہودیوں کا ہے اور بس۔

۹۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالےٰ نے مٹی کو ہفتے کے دن پیدا کیا۔ اور اتوار کے دن اس میں پہاڑوں کو پیدا کیا۔ اور پیر کے دن درخت کو۔ اور کام کاج کی چیزیں منگل کو پیدا کیں۔ اور نور بدھ کو پیدا کیا۔ اور جمعرات کے دن جانور پھیلائے زمین میں اور حضرت آدم کو جمعہ کے دن عصر کے بعد پیدا کیا۔ سب سے اخیر مخلوقات میں۔" (مسلم و بخاری)

بائبل میں بھی اسی قسم کی روایت ہے۔ البتہ اس میں سنیچر کا دن اللہ میاں کے آرام کا دن تھا۔ یہاں ابوہریرہ

نے سنیچر کے دن بھی اللہ تعالےٰ سے کام کرایا۔ کیونکہ اس قدر قرآن انکو یاد تھا کہ خدا نے بائبل کے اس قول کو بُرا کہا ہے۔ مگر ابوہریرہؓ نے یہ نہ بتایا کہ خدا نے خود دن کو کس دن پیدا کیا۔

۱۰۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جیحون اور سیحون اور نیل اور فرات جنت کی نہروں میں سے ہیں۔" (مسلم و بخاری)

یہ بھی تکوین کی روایت ہے۔

۱۱۔ "رسول اللہ صلعم نے فرمایا صور کے دن پھونکنے کے بیچ میں چالیس کا فرق ہوگا۔ لوگوں نے کہا اے ابوہریرہ چالیس دن کا انھوں نے کہا میں نہیں کہتا پھر آسمان سے ایک پانی برسے گا۔ اس سے لوگ ایسا اُگ آوینگے۔ جیسے سبزہ اُگ آتا ہے۔ انھوں نے کہا آدمی کے بدن میں کوئی ایسی چیز نہیں جو گل نہ جاوے مگر ایک ہڈی۔ وہ ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اسی ہڈی سے قیامت کے دن لوگ پیدا ہونگے۔" (مسلم و بخاری)

بالکل ایسی ہی روایت تالمود اور نسطوری عیسائیوں میں ہے۔

## دوم۔ ابوہریرہؓ کی وہ حکایات جنکی ہولیوں کو بھی خبر نہیں اور جو غالباً خود انکے ہی دماغ کی خلاقی ہے

۱۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل ننگے نہایا کرتے تھے اور ایک دوسرے کی شرم گاہ کو دیکھا کرتے تھے۔ لیکن حضرت موسیٰ تنہائی میں نہاتے۔ لوگوں نے کہا قسم خدا کی موسیٰ ہمارے ساتھ اسواسطے نہیں نہاتے کہ انکو فتق کی بیماری ہے۔ ایک بار حضرت موسیٰ غسل کر رہے تھے۔ وہ پتھر انکے کپڑے لیکر بھاگا (ہم نے یہ لفظی ترجمہ کیا ہے۔ شاید اس کا یہ مطلب ہو کہ جس پتھر پر کپڑے رکھے ہوئے تھے وہ لڑھکتا ہوا نیچے پہاڑی کے جارہا۔ مگر اس میں عجائبات کی چاشنی کہاں؟) اور موسیٰ علیہ السلام اسکے پیچھے دوڑے۔ کہتے جاتے تھے۔ اے پتھر میرے کپڑے دے۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل کے لوگوں نے انکی شرمگاہ کو دیکھ لیا اور کہا قسم خدا کی انکو تو کوئی بیماری نہیں ہے۔ اُسوقت وہ پتھر تھم گیا۔ جب بنی اسرائیل کے لوگ خوب دیکھ چکے۔ حضرت موسیٰ نے اپنے کپڑے لئے اور پتھر کو مارنا شروع کیا۔ ابوہریرہ نے کہا قسم خدا کی اس پتھر پر نشان ہیں۔ چھ یا سات حضرت موسیٰ کی مار کے" (مسلم۔ بخاری)

استغفر اللہ!

۲۔ "موت کا فرشتہ حضرت موسیٰ کے پاس بھیجا گیا۔ جب وہ آیا تو حضرت موسیٰ نے اسکو ایک طمانچہ مارا اور اسکی آنکھ پھوڑ دی وہ لوٹ کر پروردگار کے پاس گیا۔ اور عرض کیا تو نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا جو موت کو نہیں چاہتا۔ اللہ تعالےٰ نے اسکی آنکھ پھر درست کر دی اور فرمایا جا اس بندے سے کہہ تم اپنا ہاتھ ایک بیل کی پیٹھ پر رکھو اور جتنے ہاتھ تلے تمہارے بال آویں اتنے برس کی عمر تمکو ملیگی۔ حضرت موسیٰ نے عرض کیا اے پروردگار پھر اسکے بعد کیا ہوگا۔ حکم ہوا پھر مرنا ہے۔ حضرت موسیٰ نے کہا تو پھر ابھی سہی۔ انھوں نے دعا کی یارب مجھے پاک زمین کے نزدیک کرنے ایک پتھر کی مار برابر۔ رسول اللہ صلعم نے کہا اگر میں ہوتا تو تم کو حضرت موسیٰ کی قبر دکھاتا۔ راستے کی طرف سرخ دھاریدار ریتی کے پاس۔" (مسلم۔ بخاری)

لاحول ولاقوۃ

۳۔ "جریج (بنی اسرائیل کا ایک عابد) اپنے عبادت خانے میں عبادت کر رہا تھا۔ اتنے میں اُسکی ماں آئی اور اسکی ماں نے اپنا ہاتھ ابرو پر رکھا اور سر اُٹھایا جریج کو پکارنے کے لئے تو بولی اے جریج میں تیری ماں ہوں۔ مجھ سے بات کر۔ جریج اس وقت نماز میں تھا وہ بولا (اپنے دل میں) یا اللہ میری ماں پکارتی ہے اور میں نماز میں ہوں۔ پھر وہ اپنی نماز میں رہا۔ اسکی ماں لوٹ گئی۔ دوسرے دن پھر آئی۔ اور بولی اے جریج میں تیری ماں ہوں مجھ سے بات کر۔ وہ کہنے لگا۔ اے رب میری ماں پکارتی ہے اور میں نماز میں ہوں۔ اور آخر وہ نماز پڑھتا ہی گیا۔ وہ بولی یا اللہ یہ جریج ہے اور میرا بیٹا ہے۔ میں نے اس سے بات کی۔ لیکن اس نے بات کرنے سے انکار کر دیا۔ یا اللہ مت مار یو اسکو جب تک بدکار عورتوں کا منہ نہ دیکھ لیوے۔ آپ نے فرمایا۔ اگر وہ دعا کرتی جریج کسی فتنے میں پڑے۔ البتہ پڑ جاتا۔ ایک چرواہا بھیڑوں کا۔ جریج کے عبادت خانے کے پاس ٹھیرا کرتا تھا۔ گاؤں سے ایک عورت باہر نکلی وہ چرواہا اس پر چڑھ بیٹھا اور اسکو پیٹ رہ گیا۔ وہ ایک لڑکا جنی۔ لوگوں نے اس سے پوچھا تو یہ لڑکا کہاں سے لائی۔ بولی۔ اس عبادت خانے میں جو رہتا ہے اس کا لڑکا ہے۔ یہ سُن کر لوگ اپنی کدالی اور پھاوڑے لیکر آئے اور جریج کو آواز دی وہ نماز میں تھا۔ لوگ اس کا عبادت خانہ گرانے لگے۔ جب اس نے یہ دیکھا تو اُترا۔ لوگوں نے اس سے کہا اس عورت سے پوچھ کیا کہتی ہے جریج ہنسا اور اس نے لڑکے کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔ اور پوچھا تیرا باپ کون ہے۔ وہ بولا میرا باپ بھیڑوں کا چرواہا ہے۔ جب لوگوں نے بچے سے یہ بات سنی تو کہنے لگے۔ جتنا عبادت خانہ تیرا ہم نے گرایا ہے وہ سونے اور چاندی سے بنائے دیتے ہیں۔ جریج نے کہا نہیں مٹی سے درست کر دو جیسا پہلے تھا۔ پھر چڑھ گیا اوسکے اوپر۔" (مسلم۔ بخاری)

نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

۴۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ جل جلالہٗ نے حضرت آدم کو اپنی صورت پر بنایا اونکا قد ساٹھ ہاتھ کا لمبا تھا جب انکو بنا چکا تو فرمایا جا اور ان فرشتوں کو سلام کر اور وہاں کئی فرشتے بیٹھے ہوئے تھے۔ اور سن وہ تجھے کیا جواب دیتے ہیں۔ کیونکہ تیرا اور تیری اولاد کا یہی سلام ہے۔ حضرت آدم گئے اور کہا السلام علیکم۔ فرشتوں نے جواب دیا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ تو جو کوئی بہشت میں جاوے گا۔ وہ آدم کی صورت میں ہوگا۔ یعنی ساٹھ ہاتھ کا لانبا۔ پھر ان کے بعد لوگوں کے قد گھٹتے گئے اب تک۔" (مسلم و بخاری)

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آدم کو تو خیر پانچ ہزار کا زمانہ گذرا۔ ہمارے زمانہ میں دس ہزار برس سے زائد انسانوں کے ڈھانچے برآمد ہوئے ہیں۔ مگر ان کا قد بھی ۶ فٹ سے کم اندر ہے۔

۵۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدم اور موسیٰ علیہ السلام میں تکرار ہوئی سو موسیٰ نے فرمایا اے آدم آپ باپ ہیں ہمارے سو آپ نے ہمکو محروم کیا اور نکالا جنت سے اپنے گناہ کے سبب سے۔ سو فرمایا حضرت آدم نے اے موسیٰ اللہ تعالیٰ نے چُن لیا تم کو اپنے کلام کرنے کو اور لکھی توریت تمہارے لئے اپنے ہاتھ سے تو کیا ملامت کرتے ہو تم مجھکو اس کام پہ جو اللہ سبحانہ نے میرے اوپر تقدیر کر دیا تھا۔ چالیس برس میرے پیدائش سے پہلے سو جیت گئے۔ آدم علیہ السلام تقریر میں (یہ تین بار کہا)" (مسلم۔ بخاری۔ ابن ماجہ وغیرہ)

حاشا!

اس میں شک نہیں کہ یقین کا معیار ہر شخص کے لئے جدا ہے۔ ایک چیز جو میرے نزدیک لغو و خرافات ہو

وہ دوسرے کے نزدیک آیت قرآن ہو۔ مگر میں نے صرف ان حدیثوں کو لیا ہے جو معیار عقل کے لحاظ سے لغو ہوں اور ہر شخص انہیں گپ سے زیادہ نہ سمجھے

**ابوہریرہ کے اختراعات** ان کی تعداد اسرائیلیات سے کم نہیں بلکہ بے شمار ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے نقل کرتا ہوں (میں۔ نے صرف بخاری ومسلم پر اعتبار کیا ہے باقی صحاح کو نظر انداز کر دیا ہے اور ایسی روایتیں لی ہیں جو صرف اختراعات ابوہریرہ ہیں اور اسکی تائید کسی اور صحابی سے نہیں ہوئی)

. . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . .

. . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . .

۲ "جب ایماندار کی روح نکلتی ہے تو اسکے آگے دو فرشتے آتے ہیں۔ اسکو آسمان پر چڑھا لیجاتے ہیں۔ حماد (راوی) نے کہا ابوہریرہ نے اسی روح کی خوشبو کا اور مشک کا ذکر کیا کہ آسمان والے کہتے ہیں کوئی پاک روح ہے جو زمین کی طرف سے آتی ہے۔ پھر حکم ہوتا ہے اسکو لیجاؤ قیامت تک کے لئے۔ اور کافر کی جب روح نکلتی ہے حماد نے کہا ابوہریرہ نے اس کی بدبو کا ذکر کیا اور اسپر لعنت کا ذکر کیا۔ آسمان والے کہتے ہیں کوئی ناپاک روح ہے جو زمین کی طرف سے آتی ہے۔ پھر حکم ہوتا ہے اسکو لیجاؤ قیامت ہونے تک ابوہریرہ نے کہا رسول اللہ صلعم نے ایک باریک کپڑا جو آپ اوڑھے تھے اپنی ناک پر ڈال لیا۔ اسطرح سے" (مسلم)

۳ "ہم رسول اللہ صلعم کے ساتھ تھے اتنے میں ایک دھماکے کی آواز آئی۔ آپ نے فرمایا تم جانتے ہو کیا ہے۔ ہم نے عرض کیا اللہ تعالےٰ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ ایک پتھر ہے جو جہنم میں پھینکا گیا ہے۔ ستر برس سے وہ جارہا تھا اور اب اسکی تہ میں پہونچ گیا ہے" (مسلم)

۴ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کافر کا دانت احد کے پہاڑ کے برابر ہوگا اور اسکی کھال کی دبازت تین دن کی راہ ہوگی" (مسلم)

تناسب ٹھیک نہیں۔ مگر اس پر ایمان لاکر علیم ہو سر بائی تصدیق کیوں نہ کریں۔

۵ "رسول اللہ صلعم نے فرمایا شکایت کی دوزخ کی آگ نے اپنے پروردگار کے آگے اور عرض کی کہ اے رب کھا گیا میرا ایک ٹکڑا دوسرے کو تو اجازت دی اس کو دو سانس کی۔ ایک سانس جاڑے میں اور ایک سانس گرمی میں۔ سو اسی وجہ سے جو تم پاتے ہو شدت گرمی اور سردی کی" (مسلم و بخاری)

۶ "رسول اللہ صلعم نے فرمایا اترتا ہے پروردگار ہمارا برکت والا۔ ہر رات دنیا کے آسمان پر۔ جب رہ جاتی ہے اخیر کی تہائی۔ اور فرماتا ہے کون ہے کہ مجھ سے دعا کرے میں قبول کروں۔ کون ہے کہ مجھ سے مانگے میں اس کو دوں۔ کون ہے مجھ سے بخشش چاہے میں اسے بخشوں" (مسلم۔ بخاری۔ ابن ماجہ)

اگر یہ شاعری اور استعارہ نہیں تو پھر وقت یہ ہے کہ دنیا میں ہر وقت کہیں نہ کہیں رات رہتی ہے۔

ایسی صورت میں غالباً متعدد خدا اُترتے ہونگے۔

۷ "رسول اللہ صلعم نے جو نہاوے جمعہ کے دن پھر جاوے یعنی اول گھڑی میں تو اوسنے گویا ایک اونٹ کی قربانی کی اور جو دوسری ساعت میں گیا تو گویا اس نے ایک گائے کی کی۔ اور جو تیسری ساعت میں گیا۔ اس نے گویا ایک دنبہ کی کی۔ اور جو چوتھی ساعت میں گیا اس نے گویا ایک مرغی کی کی۔ اور جو پانچویں ساعت میں گیا اس نے گویا ایک انڈا قربان کیا اور جتنی تقدیر میں تھی نماز پڑھی اور چپ رہا خطبے سے فارغ ہونے تک پھر امام کے ساتھ نماز ادا کی اس کے گناہ بخشے گئے اس جمعہ سے جمعہ گذشتہ تک اور تین دن اور زیادہ" (بخاری۔ ومسلم)

میرا خیال تھا کہ بکرے کی قربانی سے آگے اللہ میاں کو اور قربانی کم پسند آتی ہے۔ مگر معلوم ہوا کہ وہ مرغ اور انڈے کی قربانی بھی لے لیتے ہیں بشرطیکہ مرغا کانا نہ ہو اور انڈا گندہ نہ ہو اخیر قسم کا ثواب ابوہریرہ نے تقریباً ہر ایک کام پر بتایا ہے[1]۔ میں رمضان کے مہینے میں جمعہ کے روز بغداد میں داؤد پاشا کی مسجد میں نماز پڑھنے گیا۔ ایک بزرگ عرب ملے۔ میں نے ان سے کہا کہ نماز کے بعد میں عبدالقادر گیلانی کا مزار دیکھنا چاہتا ہوں۔ میرے ساتھ چلو۔ وہ مجھے بغداد کی متعدد گلیوں میں پھراتے رہے اور اخیر میں ایک مکان کے سامنے لاکر کھڑا کیا جو کسی فاحشہ عورت کا تھا۔ اور کہا "دق"۔ میں مارے غصے کے کانپنے لگا۔ مگر شاید ان بزرگ کو معلوم تھا کہ نماز جمعہ پڑھ لینے کے بعد اگلے دس دن کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ اسواسطے اُنھوں نے کوئی غلط بات نہیں کی۔

۸ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سود ستر گناہوں کا مجموعہ ہے۔ ان میں سے ادنےٰ گناہ ایسا ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے نکاح کرے۔ (ابن ماجہ)

"وقس علیٰ ھذا!"

اسکے بعد جبکہ حضرت ابوہریرہ خدائے قادر نہیں۔ جبرئیل امین نہیں۔ محمد فارقلیط نہیں۔ انبیائے مرسلین میں سے نہیں۔ شہدا و صدیقین میں سے نہیں۔ آئمہ معصومین سے نہیں۔ نمازیان و مجاہدین میں سے نہیں۔ جنکا صحابی ہونا مشکوک۔ جنکے حالات مجہول۔ جن کا محب جاہ و دولت ہونا اور اسی نیت سے حدیث کا پیشہ اختیار کرنا۔ خلفائے وقت کا ہم نوالہ اور ہم پیالہ اور نمک خوار ہونا۔ علم و دیانت و صداقت سے بے بہرہ ہونا ثابت وظاہر ہو تو کیا اسلام و رسول اللہ کی خاطر ان پر بدگمان نہ کرنا کفر ہے۔ پھر کیوں ہمارے ان نامور محدثین کو کبھی انپر بھول کر خدشہ نہ گذرا اور اپنا سارا وقت اس گندے پانی کے اُچھالنے میں صرف کیا جسکا سرچشمہ ہی سے گندا تھا۔ میں ان محدثین کے زمانے کا معیار تمدن وعقل نہیں جانتا مگر میری احتیاط کا تقاضا تو یہ ہے کہ ابوہریرہ کی تمام روایتیں خصوصاً اسرائیلیات۔ مواعظیات اور قیامتیات جنکی تائید کسی صحابی

---

[1] ما تقدم من الذنب وما تاخر کا جملہ بہت کثیرالاستعمال جملہ احادیث کا ہے۔ حالانکہ اس سے زیادہ فتنہ پیدا کرنیوالا اور مسلمانوں کو بداعمال کرنیوالا شاید ہی کوئی دوسرا جملہ ہو۔

نے نہیں کی۔ ان کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے یا بھلا دیا جائے۔ نتیجہ کیا ہوگا۔ اسلام خرافات کے ایک بہت بڑے بار سے سبکدوش ہو جائے گا۔ اور یقیناً دیوبند و ازہر کے حجرہ و رواق سے باہر نکلنے کے قابل ہوگا۔ البتہ ابوہریرہ کی ساری حدیثوں میں مجھے ان کی صرف یہ روایت صحیح معلوم ہوتی ہے۔

"میرے بعد دجال و کذاب پیدا ہوں گے۔ جو میری طرف سے ایسی روایت کرینگے جس کو تم نے نہ کبھی سنا اور نہ تمہارے باپ دادوں نے۔ ان سے بچے رہنا۔ (مسلم)

مگر اس کے ساتھ سودا کا ایک مشہور شعر یاد آتا ہے۔ جسکو مصلحتاً میں پڑھنا نہیں چاہتا۔ آخر میں ابوہریرہ کی ان حدیثوں کو اور دیکھ کر آنسو بہاؤ کہ رسول اللہ صلعم کی ذات مبارک سے کیسی فحش و سوقیانہ باتیں منسوب کی گئی ہیں۔ کہاں قرآن کا وہ متانت آمیز بیان کہ عورتوں کی مباشرت کو کہیں لمستم النساء کہا ہے اور کہیں واذ دخلتم لهن کہا ہے۔ اور کہاں ایسی عریاں بات۔

"رسول اللہ صلعم نے فرمایا جب مرد عورتوں کے چاروں کونے پر بیٹھے۔ پھر لگے اسی سے ............" غسل واجب ہو گیا ہو مرد پر۔ (مسلم۔ ابن ماجہ۔ بخاری۔ داؤد)

"رسول اللہ صلعم نے فرمایا شیطان جب اذان کی آواز سنتا ہے تو بھاگتا ہے پادتا ہوا تاکہ اذان کی آواز سنائی نہ دے پھر جب اذان ہو چکتی ہے تو پھر لوٹ آتا ہے وغیرہ۔ (مسلم۔ بخاری)

"تم جب پاخانے کے لئے بیٹھو تو آڑ کر لو۔ اس لئے کہ شیطان ابن آدم کے ..... کھیلتا رہتا ہے"

نعوذ باللہ!

"حق گو"


## ضرورت ہے عاریتاً

**عائشہ صدیقہ** کی جسے حضرت نیاز فتحپوری نے ۱۹۲۷ء میں مرتب کیا تھا اور رسالۂ صوفی نے شائع کیا تھا۔ دیکھنے کے بعد واپس کر دیجائے گی۔

منیجر نگار۔ لکھنؤ

## جذبات بھاشا

جدید اڈیشن (قیمت ۱۲ / ) علاوہ محصول

منیجر نگار لکھنؤ

## نگارستان

جدید اڈیشن (قیمت ۳ / ) علاوہ محصول

منیجر نگار لکھنؤ

# زائرہ کی محبت

میری طالب علمی کا زمانہ ماسکو میں گذرا ہے۔ میں عام لڑکوں کی طرح بورڈنگ میں نہیں رہتا تھا بلکہ شہر میں ایک کرایہ کا مکان میری اقامت گاہ تھا۔ اسکی وجہ یہ کہ کرایہ کے مکان کو بورڈنگ پر کیوں فوقیت دی گئی تھی، صرف یہ تھی کہ میرے والد اکثر اپنی تجارت کے سلسلہ میں وہاں آیا کرتے تھے اور چونکہ اُنھیں خود بھی دوران قیام میں مکان کی ضرورت ہوتی تھی۔ اس لئے غالباً کفایت اور نگرانی دونوں اسباب کی بنا پر انھوں نے مجھ کو شہر میں رکھنا مصلحت سمجھا۔

جس مکان میں میرا قیام تھا وہ ایک وسیع حویلی تھی۔ جس کے مختلف حصے تھے، ایک حصہ مستقل کرایہ پر ایک عورت کے پاس تھا، جسکا چال چلن اکثر اہلِ محلہ کے نزدیک قابلِ اشتباہ تھا۔ وہ پست اقوام سے تعلق رکھتی تھی اور اُسکا نام زائرہ تھا جسمانی صحت و تندرستی کے لحاظ سے وہ خود اپنی مثال تھی۔

اس کا بلند و بالا قامت، مردانہ کمر، ورزشی بازو، تیز آواز، گھنے سیاہ ابرو، بیقرار نیلگوں آنکھیں ممکن ہے اس تمام اجتماع کو کسی نے "حسن" سمجھا ہو۔ لیکن عام طور پر لوگ کم ذات سمجھ کر اُس سے بچا کرتے۔ اور جہانتک میری ذات کا تعلق تھا، میں اس کی جوانی سے متاثر ہونے کی بجائے ایک قسم کا خوف محسوس کیا کرتا تھا۔

میں بھی مکان کی بالائی منزل میں رہا کرتا تھا اور اُس کا کمرہ بھی بالکل میرے مقابلہ میں بالائی منزل پر تھا۔ میری احتیاط کا یہ عالم تھا کہ جب مجھے علم ہوتا کہ وہ اپنے کمرے میں سامنے موجود ہے۔ میں ہمیشہ اپنے کمرہ کا دروازہ بند کر لیا کرتا۔ لیکن ایسا اتفاق کم ہوتا تھا۔ اس لئے کہ دن میں جو میرے اسکول کے اوقات تھے وہی زیادہ تر اُس کے گھر رہنے کے اوقات تھے۔ شب کو میں اپنے ہم جماعتوں کے ساتھ بورڈنگ میں پڑھنے کے لئے چلا جاتا تھا اور صرف سونے کے لئے مکان پر آتا تھا۔ بعض اوقات زینہ پر اُترتے چڑھتے ہمارا سامنا ہو جاتا تھا اور بعض مرتبہ صحن میں آتے جاتے۔

وہ اکثر مجھے دیکھ کر اس طرح مسکرا دیا کرتی۔ جسطرح مختلف پیشوں کے لوگ مصروفیت کار میں ایک دوسرے سے صاحب سلامت کرتے ہوئے مسکرا دیا کرتے ہیں۔ مگر اس میں بھی مجھے ایک قسم کا گنوارپن اور اوباشی محسوس ہوا کرتی۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ میں نے اُسے شراب کے نشے میں چور، انگارہ سی آنکھیں بنائے ہوئے بہکتے دیکھا۔ ایسے موقعہ پر وہ بالعموم مجھے اسطرح مخاطب کیا کرتی ——— "میاں طالبعلم! کہو مزاج تو اچھا ہے؟"

اسکے بعد وہ ایسا بے معنی سا قہقہہ لگایا کرتی کہ دل میں اُس کی طرف سے بہت زیادہ نفرت و حقارت

کے جذبات پیدا ہونے لگتے۔

کئی مرتبہ ان جبریہ ملاقاتوں اور بیہودہ مزاج پرسیوں سے بچنے کیلئے میں نے یہ بھی سوچا کہ اپنا کمرہ تبدیل کرکے کہیں اور رہنے لگوں۔ لیکن چونکہ موجودہ جگہ زیادہ آرام دہ صاف ستھری اور باموقعہ تھی۔ اس لئے ارادے نے کبھی عمل کی صورت اختیار نہ کی۔ اس کے علاوہ ایک سب سے بڑا آرام مجھے یہ تھا کہ شہری آبادی کا یہ حصہ زیادہ کاروباری نہ تھا اور میرے مطالعہ میں شور و شغب حارج نہ ہوتا تھا۔

ایک روز صبح کو میں اپنے بستر پر انگڑائیاں لے رہا تھا اور جغرافیہ زیادہ ہونیکی وجہ سے اسکول نہ جانے کے لئے کوئی بہانہ سوچ رہا تھا کہ یکایک دروازہ کھلا اور زائرہ کی منحوس آواز چوکھٹ پر سنائی دی:۔

"خدا کرے تندرست رہو۔ میاں طالب علم! ——— میں اندر آجاؤں؟"

"کہئیے مجھ سے کیا کام ہے؟" میں نے سوال کیا اور دیکھا کہ وہ اس استفسار پر پریشان ہوکر کھوسی گئی ہے۔ یہ حالت اُسکی عام حالتوں سے بالکل متضاد تھی۔ بالآخر اس نے نہایت مہذبانہ طور پر جواب دیا:۔

"جناب والا! میں آپ کو ایک زحمت دینا چاہتی ہوں۔ کیا آپ میرے لئے اُسے برداشت کرنا گوارا فرمائیں گے؟"

میں بستر پر پڑا ہوا دل ہی دل میں کہہ رہا تھا ——— "خدا خیر کرے! دیکھئے کیا ارشاد ہوتا ہے؟"

"مجھے اپنے گھر ایک خط لکھوانا ہے، اس کے لئے تکلیف دینا چاہتی ہوں۔"

اُسکا لہجہ نرم، پشیمان اور ملتجی تھا۔

"خیریت گذری!" میں نے خیال کیا اور ایک جست کرکے میز کے قریب کاغذ قلم دوات لیکر بیٹھ گیا۔

"آؤ لکھواؤ کیا لکھوانا ہے!"

وہ بڑھی اور بڑے ادب سے ایک کرسی پر بیٹھکر مجھے حریص نگاہوں سے تکنے لگی۔

"ہاں ——— بتاؤ کسے لکھوانا ہے؟"

"سرائے زینہ ——— براہ وارسا ——— مسٹر بروسلا کو لکھوانا ہے۔"

"اچھا ——— بہت جلد جلد بولتی رہو!"

"میرے اچھے بروسلا.......... میرے پیارے ....... میرے دلنواز! ——— خدا تجھے اپنی رحمت کے سایہ میں رکھے۔ تیری وفاداری کے وعدے کیا ہوئے؟ ........ سنہرے بالوں والے! تو نے اتنے زمانہ سے اپنی چھوٹی سی معصوم گڑیا زائرہ کو کیوں نہ خط لکھا؟ ........."

میں یہ الفاظ سُن کر ہنسی سے بیتاب ہو گیا —— "چھوٹی سی معصوم گُڑیا" —— قد صرف پانچ فٹ چھ انچ، ہاتھ کارخانہ کے ہتھوڑے، وزن تقریباً دو من کچھ سیر، رنگت سیاہی مائل ...... گویا اس "چھوٹی سی معصوم گُڑیا" کو کھیلنے والوں نے عمر بھر دھو وکش میں رکھا ہے۔ اور کبھی بھی جھاڑنے پونچھنے یا نہلانے دُھلانے کی زحمت گوارا نہ کی —— واقعی ظلم ہے......!"
میں نے اپنے دل میں کہا۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح ہنسی ضبط کر کے مینے پوچھا:

"یہ بروسلاٹ کون ہیں؟"

"بروسلا، میاں طالب علم بروسلاٹ نہیں" اس نے ذرا ترش رو ہو کر مجھ سے کہا۔ گویا غلط نام لینا اُسے ناگوار ہوا ہے —— "اس کا نام بروسلا ہے، وہ میرا نوجوان محبوب ہے"

"نوجوان محبوب!" مینے تعجب سے کہا۔

"کیوں؟ —— آپکو تعجب کیوں ہے؟ کیا مجھ ایسی دوشیزہ لڑکی کیلئے ایک نوجوان محبوب نازیبا ہے!"

"یہ! اور ایک دوشیزہ لڑکی!!؟ —— یہ بھی ایک ہی ہوئی" مینے ہنسی روکتے ہوئے سوچا "کیوں نہ ہو —— دنیا میں سب باتیں ممکن ہیں" پھر مینے اُس سے مخاطب ہو کر پوچھا:

"کیا وہ عرصہ سے تمہارا محبوب ہے؟"

"چھ سال سے"

"اوہو!" میری زبان سے بیساختہ نکل گیا "خیر تم خط ختم کراؤ"

مجھے یہ کہنے میں مطلق تامل نہیں ہے کہ میں بھی بخوشی خاطر اس بروسلا کا رقیب بننا پسند کر لیتا اگر اسکی "چھوٹی سی معصوم گڑیا" زائرہ سے ذرا اور چھوٹی ہوتی۔

"میں آپ کی بیحد شکر گذار ہوں، آپ نے بڑی تکلیف کی" زائرہ نے نہایت تمیز کے ساتھ لکھا ہوا خط لیکر کہا —— "میرے لائق کوئی خدمت ہو؟"

"تمہاری مہربانی کافی ہے۔ میں کوئی تکلیف دینا نہیں چاہتا"

"آپکی قمیصوں یا پائجاموں میں اگر رفو یا درستی کی ضرورت ہو تو میں اس خدمت کیلئے حاضر ہوں"

مجھے اپنا پاجامہ دیکھکر بڑی ندامت ہوئی۔ اور مینے ایسا محسوس کیا کہ گویا اُسنے قصداً طنزیہ طور پر یہ فقرہ کہا ہے بہر حال مینے اس سے صاف کہدیا۔ کہ مجھے اسکا زیادہ خیال نہیں ہے اور میں آپکو کوئی تکلیف دینا نہیں چاہتا۔ وہ یہ سُنکر چلی گئی۔

اس واقعہ کو دس بارہ روز گذر چکے تھے۔ میں ایک روز شام کو اپنی کھڑکی کے قریب سیٹی بجا بجا کر اپنا دل بہلا رہا تھا طبیعت موسمی تبدیلی کی وجہ سے ذرا مکدر رہتی۔ اور میں باہر جانا نہیں چاہتا تھا سیٹی بجا کر بیکار وقت گذارنا بھی کچھ اچھا شغل نہ تھا لیکن اور کچھ کرنے کے لئے بھی اپنے آپ کو آمادہ نہ پاتا تھا۔ یکایک میرے کمرہ کا دروازہ کھلا۔ مینے تعجب سے دیکھا۔

"میاں طالب علم! آج شاید آپ خالی ہیں؟" یہ زائرہ کی آواز تھی۔

"نہیں تو ــــ کیا بات ہے؟"

"میں آپ سے ایک خط اور لکھوانا چاہتی تھی"

"بہتر ہے ــــ غالباً مسٹر بردوسلا کو؟"

"نہیں۔ اس مرتبہ اُس کی طرف سے لکھا جائے گا"

"کیا؟ ــــ کیا؟"

"میں ذرا بیوقوف ہوں۔ میاں طالب علم۔ وہ خط میں اپنے لئے نہیں لکھوا رہی ہوں۔ بلکہ اپنے ایک دوست کیلئے لکھوا رہی ہوں۔ دوست کیا۔ میری اُس شخص سے شناسائی ہے۔ اُسے بھی میری جیسی ایک لڑکی سے محبت ہے۔ گویا زائرہ جیسی لڑکی سے۔ میرا مطلب آپ سمجھ گئے ......؟ اب آپ اس زائرہ کو ایک خط لکھدیجئے"

مینے اُسکی طرف دیکھا، اُس کا چہرہ ذرا پریشان تھا اور اُنگلیاں کانپ رہی تھیں۔ بعض اوقات وہ ایسی مسترحم نگاہیں مجھپر ڈالتی گویا آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے جذب کرلینا چاہتی ہے۔

ابتدا میں مجھے صورتِ حالات کے سمجھنے میں دقت ہوئی۔ میں بالکل معمہ میں اُلجھ کر رہ گیا۔ لیکن رفتہ رفتہ واقعات واضح ہوگئے اور میں نے زائرہ کا حقیقی مدعا سمجھکر کہا:۔

"ادھر دیکھو محترم خاتون، میں خوب سمجھ گیا ہوں کہ نہ کسی بردوسلا کا دُنیا میں وجود ہے نہ زائرہ کا۔ تم مجھے فریب دیتی رہی ہو۔ اور ایک مسلسل جھوٹ بولتی رہی ہو۔ اب تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ مجھے پریشان نہ کرو۔ میں تمہارے ساتھ تعلقات بڑھانا مطلق پسند نہیں کرتا ــــ سمجھ گئیں ــــ!"

وہ یکایک خوفزدہ سی ہوگئی اور ذرا پیچھے ہٹ کر منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگی۔ میں اُسکی ان حرکات و سکنات کو دیکھکر اپنے دلمیں سمجھ رہا تھا کہ یقیناً اُسکے چال چلن کا اندازہ لگانے میں مینے کوئی دہوکا کھایا ہے۔ اس عورت کے پردہ میں ضرور کوئی راز ہے؟

"میاں طالب علم ......!" اُسنے حیرت سے زبان کھولی اور اپنا ہاتھ اُٹھایا۔ مگر کچھ سوچکر یکایک دروازے کی طرف پلٹی اور باہر چلی گئی۔

میں بھونچکا سا رہگیا۔ میرا ضمیر مجھے ایک شخص کا دل توڑنے پر ملامت کر رہا تھا۔ اسی دوران میں مینے سُنا کہ اُسکے کمرے کا دروازہ زور سے کھلا۔ کواڑوں کے دیوار سے ٹکرانیکی آواز کان میں آئی ــــ یقیناً وہ غصہ کی حالت میں تھی۔ اور اُسکی کبیدہ خاطری کا سبب میں ہی تھا۔ مینے تہیہ کیا کہ اُسکے پاس جاؤں اور دلدہی سے اُسے اپنے کمرے میں بلاکر اُسکا خط لکھدوں۔ خواہ وہ بردوسلا کو لکھوائے یا زائرہ کو۔

چنانچہ میں فوراً اُسکے کمرے میں پہونچا۔ چاروں طرف نظر ڈالی اور دیکھا کہ وہ ایک کونے میں میز کے پاس اپنی کہنیوں کا

سہارا لئے ہوئے منہ چھپائے بیٹھی ہے:۔

"سنو خاتون!" مینے ذرا زم لہجہ میں اُس سے کہا:۔

(اب یہ جگہ ہے جہاں آکر میں اکثر اپنے فسانوں یا قصوں میں ذرا مضحکہ خیز اور مہمل بن جایا کرتا ہوں۔ بہر حال ............)

"سنو خاتون ........!" میں نے پھر دُہرایا۔

وہ اپنی جگہ سے اُچھل کر میری طرف تیز تیز نگاہوں سے دیکھتی ہوئی بڑھی۔ اور میرے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کر آہستہ آہستہ اپنی مخصوص آواز میں کہنا شروع کیا:۔

"ادھر دیکھو — میں تمہیں سب کچھ بتائے دیتی ہوں۔ واقعہ وہی ہے۔ جو تم نے سمجھا ہے یعنی نہ دنیا میں کسی بروسلا کا وجود ہے نہ زائرہ کا۔ لیکن تمہیں اس سے کیا سروکار؟ کیا تمہیں اپنے پڑھے لکھے ہونے پر اسقدر ناز ہے کہ کسی غریب کے لئے کاغذ پر قلم کو جنبش دینے میں بھی تکلف ہوتا ہے! — کیوں؟ تم ایسی اچھی صورت شکل کے لڑکے ہو کر اتنے بیدرد ہو — ! یہ سچ ہے کہ نہ بروسلا ہے نہ زائرہ۔ صرف میں ہوں اور جس قابل بھی ہوں تمہاری خدمت کے لئے حاضر ہوں!"

"میں معافی چاہتا ہوں!" مینے ذرا پشیمان ہو کر کہا:۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا — تم کہتی ہو کہ بروسلا واقعی کوئی شخص نہیں ہے"۔

"ہاں یہ صحیح ہے!"

"اور نہ زائرہ کی کوئی ہستی ہے"

"نہ زائرہ کی کوئی ہستی ہے۔ زائرہ میں خود کو سمجھ لیتی ہوں"

کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آخر یہ معمہ کیا ہے؟ میں اُسکے چہرہ پر نظریں جمائے ہوئے یہ سوچ رہا تھا کہ ہم میں سے کسکی عقل میں فتور آگیا ہے۔ میری یا اُس کی؟ وہ اس عرصہ میں پھر میز کی طرف بڑھی اور ادھر اُدھر درازوں میں کوئی چیز ڈھونڈنے لگی۔ پھر میرے پاس آئی اور ایک طنزیہ لہجہ میں کہنے لگی:۔

"اگر تمہیں بروسلا کو خط لکھنا اتنا گراں گذرتا ہے تو ادھر دیکھو — یہ لو اپنا خط! — میں کسی اور سے لکھوالوں گی"

مینے دیکھا — اُسکے ہاتھ میں واقعی میرا گذشتہ ہفتہ کا لکھا ہوا خط موجود تھا!!

"سنو زائرہ آخر اس سب کا کیا مطلب ہے؟ تمہیں دوسروں سے خط لکھوانے کی کیا ضرورت ہے جب میرا لکھا ہوا خط تمہارے پاس اتنے دنوں سے موجود ہے اور تم نے اُسے آج تک نہیں بھیجا"

"بھیجتی کہاں؟"

"اسی مسٹر بر وسلا کے پاس۔"

"اس نام کا کوئی آدمی ہی نہیں ہے۔"

میں بالکل بیوقوفوں کی طرح منھ پھاڑے ہوئے خاموش کھڑا تھا۔ میری عقل اس معمہ کو سمجھنے سے صاف جواب دے چکی تھی۔ اب سوائے اس کے میرے لئے کوئی چارہ کار نہ تھا کہ منھ پھیر کر اپنے کمرہ کی طرف چل دیتا۔ مگر اُس نے اپنے مخصوص انداز میں پھر تشریح کی :۔

"تمہیں اس سے کیا؟ میں پھر کہتی ہوں کہ اس نام کا واقعی کوئی شخص نہیں ہے" اور یہ کہکر اُس نے کچھ ایسے تعجب سے ہاتھ پھیلائے گویا اُسے خود بھی اس پر تعجب تھا کہ اس نام کا کوئی شخص کیوں نہیں ہے؟

"لیکن میری خواہش ہے کہ کوئی ہو! ........ کیا میں اور انسانوں کی طرح انسان نہیں ہوں؟ —— اس میں شک نہیں —— یہ درست ہے کہ یہ میری خام خیالی ہے۔ تاہم میں یہ سمجھتی ہوں کہ اُسے خط لکھوانے میں نہ میں کسی کا کچھ بگاڑتی ہوں نہ کوئی گناہ کرتی ہوں۔"

"کسے خط لکھوانے میں؟"

"بروسلا کو —— اور کسے؟"

"لیکن اس کا تو تم کوئی وجود ہی نہیں تبلاتی ہو!"

"افسوس! یہ واقعہ سہی، لیکن کیا ہرج ہے۔ اگر اُسکا کوئی وجود نہیں۔ میرا تو کوئی بھی اپنا یا عزیز دُنیا میں نہیں۔ بروسلا کا بھی اسی طرح کوئی وجود نہیں لیکن ہو تو سکتا تھا۔ میں اُسے لکھواتی ہوں اور یہ محسوس کرتی ہوں گویا واقعی وہ کوئی شخص ہے اور میرا محبوب ہے —— مجھ پر گرویدہ ہے —— پھر زارہ میں خود کو سمجھتی ہوں، اُسے وہ جواب دیتا ہے، اور تب پھر میں اُسے لکھتی ہوں ........"

آخرکار میری سمجھ میں آگیا۔ اور میں اس قدر رنجیدہ، دل شکستہ اور پشیمان ہوا کہ میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے ........ آہ میرے قریب مجھ سے صرف چار پانچ گز کے فاصلہ پر ایک ایسی عورت بھی رہتی تھی۔ جس کا اس دُنیا میں نہ کوئی اپنا تھا نہ عزیز اور جس نے محبت، ہمدردی اور مروت کے لئے ترس ترس کر اپنے واسطے ایک خیالی دوست بنا لیا تھا۔

"سنو ادھر دیکھو! ........" اُس نے میری ہمدردی کا اندازہ لگاتے ہوئے پھر اپنے خیالات کی تشریح کی :۔

"تم نے مجھے بروسلا کے لئے خط لکھ کر دیا، میں نے اُسے مختلف آدمیوں سے پڑھوا کر سُنا اور اپنے ذہن

میں یہ خیال قائم کر لیا کہ بروسلا واقعی کوئی شخص ہے۔ پھر میتے تم سے بروسلا کی طرف سے زائرہ کو ایک خط لکھنے کی فرمائش کی۔ جب میں ایسا خط لکھوا لیتی ہوں، اور لوگوں سے اُسے پڑھواتی ہوں تو مجھے کامل یقین ہوتا ہے کہ بروسلا کی اس دُنیا میں ضرور کوئی ہستی ہے۔ جو میرا عاشق ہے۔ اور اس طرح سے نتیجۃً مجھے اپنی زندگی زیادہ آسان پُر کیف اور خوشگوار معلوم ہونے لگتی ہے"۔

میں نے خود کو بڑی ملامت کی جب مجھے اُس کی دل آزاری کا خیال آیا۔

اُس روز سے ہمیشہ بلا تامل میں اُسے ہفتہ میں دو خطوط لکھ کر دینے لگا ایک بروسلا کو اور دوسرا اُس کے جواب میں زائرہ کو۔ میں اُن خطوط میں خوب دل لگا کر عبارت آرائی کرتا اور وہ اُنھیں سُن سُن کر اکثر رونے لگتی۔ اس خدمت کا صلہ کہ اُسے خیالی بروسلا کی طرف سے رُلا دینے والے خطوط موصول ہوتے ہیں مجھے یہ ملا کرتا کہ میرے قمیص پاجامے یا کوٹ کبھی درزی کے پاس درستی کے لئے نہ جاتے۔ زائرہ بلا کہے از خود اُنھیں لیجاتی اور جہاں کہیں سے وہ پھٹ جاتے یا کمزور ہو جاتے وہاں نہایت ہوشیاری سے اُنھیں درست کر دیتی۔

ان واقعات کے تقریباً تین ماہ بعد پولیس نے کسی نہ کسی سلسلے میں اُسے جیل خانہ بھیجدیا۔ سُنا کہ وہاں وہ مر گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان جس قدر زیادہ مصائب و آلام کی تلخیاں برداشت کرتا ہے اُسی قدر وہ زندگی کی لذتوں کیلئے بیتاب ہوتا ہے۔ اور ہم جو زندگی میں کامیاب ہیں اپنی تہذیب، تعلیم یا دولت کے لباس میں ملفوف، دوسروں کو اپنے سراپا فریب نقطہ نظر سے دیکھتے ہوئے، یہ نہیں سمجھ سکتے کہ "تلخ زندگی" حقیقت میں کیا ہے؟ ہم اُسکا کوئی بھی اندازہ نہیں لگا سکتے!

دنیاوی کاروبار اسی طرح چلتے رہے ہیں اور اسی طرح چلتے رہینگے۔ رنج مسرت کا خمیازہ ہے، اور مسرت رنج کا انعام، لیکن ہم جس مسرت کو حاصل کرتے ہیں وہ فی الواقع ہمیں اپنے رنج کا انعام بنکر نہیں ملتی بلکہ وہ ہم سے کمزور اور کمتر درجہ کے آدمیوں کی آہوں اور آنسوؤں سے پرورش کیا ہوا پھول ہوتا ہے۔ جسے ہم زبردستی توڑ لیتے ہیں۔

دنیا کی موجودہ قومیں، اگر غور سے دیکھئے تو، دولت تعلیم اور تہذیب ہیں۔ لیکن ہم اسے نہیں مانتے، ہم بنی نوع انسان میں قومیں بناتے ہیں اور اُنمیں ایسا فرق سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جیسا غیر جنس نفوس میں ہونا چاہیئے۔ ورنہ اچھوت اقوام اور چھوٹی ذات کے لوگ کیا ہیں؟

کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ وہ سب سے اول اُسی قسم کے انسان ہیں جس قسم کے وہ لوگ ہیں جو خود کو بلند مرتبہ سمجھتے ہیں، اُن کے وہی ہڈیاں، وہی گوشت، وہی خون اور وہی رگ و ریشے ہیں جو اونچی ذات کے لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس کا علم ہمیں آج سے نہیں بلکہ اُس وقت سے ہے۔ جس وقت سے مخلوق معرض وجود میں آئی ہو۔

ہم اسے سنتے بھی ہیں اور اس سے انکار بھی نہیں کر سکتے۔ ہمیں احساس نہیں ہوتا کہ جو شے ہمارے لئے باعثِ فخر ہے اُس پر انسانیت شرم کرتی ہے۔ اب صرف شیطان ہی کو معلوم ہو سکتا ہے کہ اس تفوق اور تفاوت کی کیا وجہ ہے؟ —— غالباً وہ احساس جس سے ہم از خود اشرف المخلوقات بن گئے ہیں؟

مجھ سے پوچھئے تو ہم ہی جو خود کو بلند مرتبہ والا سمجھتے ہیں۔ دراصل سب سے نیچی اور رذیل قوم ہیں اس لئے کہ ہماری خودستائی، خودغرضی اور خودپسندی نے ہمیں ایسے قعرِ مذلت میں ڈھکیل دیا ہے، جہاں ہم اپنے انسانی فرائض اور فطرتی حقوق کو بھلا بیٹھے ہیں۔

مگر یہ پُرانی باتیں ہیں —— اتنی پرانی کہ اب انھیں بار بار دہراتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔ (سگیسم گورکی)

**طالب باغپتی**

---


# کاجل۔ سرمہ۔ چورن۔ منجن

(اڈیٹر صاحب نگار نے خود ان دواؤں کا اطمینان کر کے اپنی رائے انکی مفید ہونے پر اکتوبر کی ملاحظات میں ظاہر کی ہی)

صرف یہ چار چیزیں تیار کی ہیں۔ اور اگر آپ اعتبار کریں تو میں کہوں کہ انمیں سے ہر ایک چیز پورے بیس سال کے متواتر تجربہ میں آ رہی ہے۔

**کاجل** جو آنکھوں کے تمام امراض کیلئے بیحد مفید ہی۔ سلائی لگاتے ہی ٹھنڈ سے نیند سی آنے لگتی ہی۔ جنکی آنکھیں آشوب کرتی رہتی ہیں۔ یا میلی ہو جاتی ہیں۔ یا سُرخی پیدا ہو جاتی ہے یا نزلہ کا پانی آتا رہتا ہی یا ضعف بصارت پیدا ہو چلا ہی۔ اُنکے لئے ہر روز رات کو ایک سلائی لگا لینا چند دنمیں تمام شکایتیں دور کر دیتا ہی۔ ایک ڈبیہ جو ایک شخص کیلئے سال بھر کو کافی ہی۔ قیمت (عمہ) علاوہ محصول۔

**سرمہ** یہ بیش بہا سُرمہ ۴۰ دن میں تیار ہوتا ہی۔ اسمیں نہ ممیرہ ہی، نہ کوئی جواہر بلکہ معمولی سرمہ ہی جسکو جڑی بوٹیوں کے عرق میں پیسکر طیار کیا جاتا ہے۔ اسکے فوائد کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہی کہ جالا، دھند، موتیا بند اور ضعف بصارت صرف ایک ماہ کے استعمال سے جاتا رہتا ہے۔ اور بارہا آزمایا ہوا ہے۔ قیمت فی پڑیا (عمہ) علاوہ محصول۔

**چورن** یہ وہ اکسیری چیز ہے جس کا ہر گھر میں رہنا ضروری ہے، پیٹ کا درد، قبض، نفخ۔ ریاح کا پیدا ہونا۔ سوء ہضم دستوں کا آنا سب یکلخت اسکے استعمال سے جاتا رہتا ہی۔ کیسا ہی شدید درد پیٹ میں ہو فوراً ایک چٹکی کھانے سے جاتا رہتا ہی قیمت فی ڈبہ ۵ تولہ عمہ علاوہ محصول۔

**منجن**۔ اسکی ادنےٰ خوبی یہ ہے کہ ہلتے ہوئے دانت جم جاتے ہیں۔ قیمت فی ڈبہ ۵ تولہ (عمہ) علاوہ محصول۔

**نوٹ**۔ سب چیزیں منگانیوالوں کو محصولڈاک معاف۔

**م۔ بیگم۔ نمبر ۲۴۔ نظیر آباد۔ لکھنؤ۔**

# رُباعیات باباطاہر عُریاں

فارسی شاعری کے آغاز کے متعلق مختلف روایات مشہور ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ حکومت صفاریہ کے بانی یعقوب بن لیث کا بچہ ایک دن اپنے ہمعمر بچوں کے ساتھ گولیاں کھیل رہا تھا۔ ایک گولی جو سوراخ سے دور جا پڑی تھی لڑھک کر آہستہ آہستہ سوراخ کی طرف جانے لگی۔ لڑکا بے اختیار چلا اٹھا

غلطاں غلطاں ہمی رود تا لب گو

یعقوب کو خبر ہوئی تو وہ اس مصرع کو سنکر بہت خوش ہوا اور ماہران فن سے اس کا وزن دریافت کیا۔ اور تین مصرعے اس پر چسپاں کرنے کی فرمائش کی۔ چار مصرعے پورے ہو گئے تو دوبیتی اس کا نام رکھا۔ جو بعد کو رباعی مشہور ہوا۔ یہ واقعہ ۸۶۵ء کا ہے۔[۱]

اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو رباعی کو اولین نظم فارسی ہونے کا فخر حاصل ہے۔ بہرحال رباعی کے ان امتیازات میں کوئی شک نہیں کہ

(۱) رباعی چھوٹی سی چھوٹی مستقل نظم ہے۔ اگرچہ قطعہ بھی دوبیت کا ہوتا ہے لیکن لازمی طور پر نہیں۔ وس بیس شعر کا بھی ہو سکتا اور ہوتا ہے۔

(۲) رباعی اپنے مخصوص وزن کے سبب سے تمام اصناف شاعری سے ممتاز ہے۔ غزل یا قصیدے کے دو قطعہ بند شعروں پر رباعی کا دھوکا نہیں ہو سکتا۔ جبکہ قطعہ کا ہو سکتا ہے۔

(۳) رباعی چونکہ مختصر سی مستقل نظم ہوتی ہے۔ اس لئے اسکے چار مصرعوں کی ترتیب میں خاص اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ کوئی نادر خیال یا لطیف نکتہ رباعی میں بیان کیا جاتا ہے۔ اس طرح کہ پہلا شعر اسکے مناسب کہا جاتا ہے۔ اور دوسرے شعر میں وہ خیال یا نکتہ اس ترتیب سے ادا کیا جاتا ہے کہ اس کا نادر و لطیف حصہ

---

[۱] ماخوذ از کتاب انگریزی (AN OUTLINE HISTORY OF PERSIAN LITERATURE) (مختصر تاریخ ادبیات فارسی) مولفہ مولوی عابد حسن صاحب فریدی ایم۔اے۔ ایل۔ٹی۔ ایم۔آر۔اے۔ ایس پروفیسر فارسی سینٹ جانس کالج آگرہ۔

چوتھے مصرع میں ہوتا ہے اور تیسرا مصرع سامع کے ذہن کو اس کی طرف متوجہ و مشتاق کردیتا ہے۔ اگر رباعی میں یہ حسنِ ترتیب نہیں ہے تو صرف چار مصرعے ماہرانِ فن کے نزدیک رباعی کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔ مولوی سید مہدی حسین صاحب ناصری ایم اے اپنی کتاب مخزن الفوائد میں اس رائے کی تائید میں صائب کا یہ شعر پیش کرتے ہیں۔

از رباعی بیت آخر می زند ناخن بدل　　خط پشت لب بچشم ما ز ابرو خوشتر است

اور کسی شاعر کی یہ رباعی بھی نقل کرتے ہیں۔

اے اختر فیض را ضمیرت مطلع　　طبع تو عروسان سخن را مجمع

از بسکہ رباعی تو افتاد بلند　　ہر مصرع او بود چہارم مصرع

اسی خیال کو پیش نظر رکھ کر خاکسار راقم نے یہ نعتیہ رباعی کہی ہے۔

دنیا میں رسولؐ اور بھی لاکھ سہی　　زیبا ہے مگر حضورؐ کو تاجِ شہی

ہے خاتمۂ حسن عناصر ان پر　　ہیں مصرعِ آخر اس رباعی کو وہی

(۴) رباعی کو ایک یہ بھی شرف حاصل ہے کہ مضامین تصوف سب سے پہلے رباعی کے ذریعہ سے ادا کئے گئے۔ اور حضرت مولانا ابوسعید ابوالخیر نے اس کی ابتدا کی۔ انکی رباعیوں میں مضامین تصوف دیکھکر بعد کے شعرا نے غزل و قصیدہ و مثنوی میں بھی تصوف کو داخل کیا۔ اور جب تک تصوف شاعری میں شامل نہ ہوا تھا فارسی شاعری سوز و گداز اور درد و اثر سے خالی تھی۔ تو گویا رباعی کا فارسی شاعری پر یہ احسان ہے کہ اس نے فارسی شاعری کو زیادہ دلکش اور موثر بنا دیا۔

رباعی پر تقریبًا تمام اساتذہ قدیم و جدید نے طبع آزمائی کی ہے۔ لیکن حضرت ابوسعید ابوالخیر اور حکیم عمر خیام صفت رباعی کے مشاہیر گزرے ہیں کہ انھوں نے اپنے اظہار کمال کیلئے رباعی کو مخصوص کرلیا ہے۔ اور اس تنگنائے سخن میں وہ وہ جولانیاں دکھائی ہیں کہ عقل حیران ہے۔ ان نامورانِ رباعی کے ساتھ تیسرا نام باباطاہر ھمدانی کا لیا جاسکتا ہے جو زمانے کے لحاظ سے تیسرے نہیں بلکہ دوسرے ہیں۔ حضرت ابوسعید نے ۴۴۰ھ میں انتقال کیا اور باباطاہر نے ۴۱۰ھ میں یہ دونوں بزرگ ہمعصر تھے۔

باباطاہر کی رباعیاں رباعی کے مخصوص وزن (بحر ہزج اخرب یا اخرم) میں نہیں ہیں بلکہ بحر ہزج مسدس محذوف (مفاعیلن مفاعیلن فعولن) میں ہیں۔ اس لئے اصطلاح رباعی سے خارج ہونی چاہئیں۔ لیکن رباعی کی اور تمام خصوصیات ان میں موجود ہیں۔ قوافی بھی قاعدہ رباعی کے مطابق ہیں۔ یعنی پہلے دوسرے اور چوتھے مصرعے میں قافئے ہیں۔ اس لئے قطعہ کی بھی صورت نہیں رہی۔ تو اب ان کو کیا نام دیا جائے؟ برائے عام

نے بجائے قطعہ کے ان کو بھی رباعی کہا۔ ایران میں بھی اسی نام سے مشہور ہیں۔

ان رباعیوں کی زبان بھی عام فہم و متعارف فارسی نہیں ہے محققین و مستشرقین کی رائیں اسکے متعلق بہت مختلف ہیں۔ قرین قیاس یہ ہے کہ ایران کے کسی صوبہ (غالباً رے) کی دیہاتی یا قدیم زبان میں ہیں۔ چنانچہ آتشکدہ آذر کی یہی رائے ہے۔ لکھتا ہے:۔

"عریان اسمش باباطاہر۔ دیوانہ الیست از ہمدان۔ فرزانہ الیست ہمدان۔ احوالش در پارہ کتب مذکور۔ واخلاقش بین العرفا مشہور۔ عاشقے شیدا و سوزش جاں از اشعارش ہویدا۔ بر زبان راجی بوزن خاصی دوبیتی بسیار گفتہ کہ اکثر آن امتیاز کلی دارد۔"

راجی کی جیم زے کا بدل ہے۔ یعنی رازی (رے کی زبان) بعض کی رائے ہے کہ یہ رباعیاں ایران کی قدیم زبان میں ہیں۔ لیکن "قدیم زبان" کہنے سے اشتباہ پیدا ہوتا ہے۔ رباعیات کی زبان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قصبات و دیہات کے غیر تربیت یافتہ لوگ الفاظ و تلفظ میں جس قسم کا تغیر اپنے لب و لہجہ اور آسانی کی مطابق پیدا کر لیتے ہیں۔ اسی نوع کا تغیر ان رباعیوں میں بھی ہے جس طرح ہندوستان کے دیہاتی بولتے ہیں ہمرے سنگ (ہمارے ساتھ) بھور بھئی (صبح ہوئی)۔ کرت ہیں (کرتے ہیں) وغیرہ۔ اسی طرح باباطاہر نے اپنے ملک کے دیہاتوں کی زبان میں لکھا ہے:۔ ویرم (دارم) سوجہ (سوزد) نمونہ (نماند) ونیم (بنیم)

باباطاہر کا ذکر بعض تذکروں میں نظر آتا ہے۔ مثلاً آتشکدہ آذر۔ ریاض العارفین۔ مجمع الفصحاء۔ لیکن سوانح حیات سے سب خاموش ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ بتاتے ہیں کہ ہمدان کا رہنے والا تھا۔ مجذوب تھا۔ اور برہنہ رہتا تھا۔ اس لئے عریاں کہلاتا ہے۔ شیوخ و صوفیائے کرام میں اس کا شمار تھا۔ فردوسی کا ہمعصر تھا۔ ۴۱۰ھ ہجری میں وفات پائی۔

مستشرقین مغرب نے جو داد تحقیق دی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ باباطاہر فرقہ نصیری میں تھا جو (معاذاللہ) حضرت علیؑ کو خدا مانتے ہیں۔ قبیلۂ لُردن سے تعلق رکھتا تھا۔ اس لئے لُری کہلاتا ہے۔ ہیرن ایلن نے باباطاہر کی رباعیات کا مترجم ایڈیشن شائع کیا ہے۔ اس کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ باباطاہر لکڑہارے کا لڑکا تھا۔ مدرسہ میں پڑھتا تھا۔ لیکن ذہن اچھا نہ تھا۔ استاد کی تقریر سمجھ میں نہ آتی تھی۔ ایک دن ہم جماعت لڑکوں سے کہا کہ تم سبق کو کسطرح سمجھ لیتے ہو۔ ہماری تو سمجھ میں آتا نہیں۔ لڑکے ہنسنے لگے۔ ایک بولا کہ ہم تو رات کو تالاب میں غوطہ لگا آتے ہیں۔ اور چالیس مرتبہ سر کو دھوتے ہیں۔ طاہر کو اس مذاق کا یقین آگیا۔ رات کو وہ بھی تالاب پر پہنچا اور وہی عمل کیا۔ اسی وقت ایک شعلہ پیدا ہوا اور طاہر کے منھ میں داخل ہو گیا۔ اگلے روز جو مدرسہ میں آیا تو ذہن روشن تھا اور دماغ حکمت و فلسفہ کا گنجینہ۔ سب اس قلب ماہیت سے متحیر ہو گئے اس کے بعد سے

باباطاہر کے جسم میں اس قدر گرمی پیدا ہوگئی کہ کوئی شخص اس کے پاس نہ بیٹھ سکتا تھا۔ اب باباطاہر میں جذب کی کیفیت پیدا ہوگئی اور برہنہ پھرنے لگا۔

میں نے رباعیات ابوسعید ابوالخیر کے ترجمہ منظوم کے دیباچہ میں باباطاہر کے متعلق یہ رباعی لکھی تھی۔

ہمعصر ابوسعید باباطاہر — مجذوب ہے لیکن ہے عجب کاشف سر
حیران ہیں دیکھکر کلام اہل نظر — کیں خاتر عقل نے بھی عقلیں فاتر

واقعہ یہ ہے کہ باباطاہر کا کلام سادگی و سلاست کے ساتھ نہایت دلکش و موثر اسلوب بیان کا حامل ہے۔ معمولی بات کہتا ہے۔ لیکن کہیں طرز ادا سے کہیں خوبی تمثیل سے ایک ندرت اور جدت پیدا کردیتا ہے۔ اکثر رباعیوں سے شیفتگی و وارفتگی مترشح ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاعری کے شوق میں نہیں کہتا بلکہ دل کے جوش سے کہتا ہے۔ اور واردات بیان کرتا ہے۔ اسی لئے اصول قافیہ کی پرواہ نہیں کرتا۔ ایک قافیہ دو جگہ لے آتا ہے۔

تقریباً تمام رباعیاں غیر متعارف دہقانی یا قدیم زبان میں ہیں۔ لیکن ایک دو رباعیاں عام و معروف زبان میں بھی موجود ہیں۔ مثلاً

اگر دردم یکے بودے چہ بودے — وگر غم اندکے بودے چہ بودے
بہ بالینم حبیبم یا طبیبم — ازیں دو گر یکے بودے چہ بودے

بعض رباعیاں ایسی ہیں کہ قدیم کی جگہ جدید الفاظ لکھدئے جائیں تو معمولی زبان کی رباعیاں بنجائینگی۔ مثلاً

نگارینا دل و جانم تہ داری — ہمہ پیدا و پنہانم تہ داری
نذونم مو کہ ایں دردازکہ دیرم — ہمی دونم کہ درمانم تہ داری

اس کو اس طرح پڑھ سکتے ہیں:-

نگارینا دل و جانم تو داری — ہمہ پیدا و پنہانم تو داری
ندانم من کہ ایں درد از کہ دارم — ہمی دانم کہ درمانم تو داری

میں نے چند رباعیوں کا ترجمہ اردو رباعیوں میں کیا ہے۔ باباطاہر کی رباعیاں رباعی کے وزن میں نہیں ہیں۔ میں نے ترجمہ میں رباعی کی بحر قائم رکھی ہے۔ ان کے درج کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ باباطاہر کے لغات کا حل لکھدوں تاکہ ناظرین کو اصل رباعیوں کے سمجھنے میں آسانی ہوجائے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| لسوجہ | لسوزد | لسوجم | لسوزم |
| لسوجونم | لسوزانم | غمینہ (ہ) | غمین است (است) |
| مو | من | تہ | ترا |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ویرم | دارم | ورتشی | دور تشود |
| ریژه | ریزد | بتیه | بے تو |
| نمونه | نمانَد | ویتم | بنیم |
| نموین | نمایند | گیژه ویژه | پریشان |
| خیژه | خیزد | بے | بود۔ باشد |
| سوجه | سوزد | موآں ویرم | من آں دار (درخت) ہستم |
| شو وروز | شب و روز | زمو لبستوں | زمن لبتانند |
| وینه | بیند | کنه | کند |
| گرده | گردد | زاماں | زماں |
| وینن | بنیند | سخون | سخن |
| واته | باتو | کرن | کنند |
| نشینن | نشینند | پائے نہ بے | پائے نیست |
| نشم | بشوم | آنوں | آناں |

بو نیم۔ ۔ ۔ بہ بنیم

اب چند رباعیاں مع ترجمہ ملاحظہ ہوں:-

## رباعیات باباطاہر

## ترجمہ از حامد حسن قادری

(۱)

دولت اے سنگدل بر ما تسوجہ
عجب نہ بود اگر خارا تسوجہ
تسوجم تا تسوجونم دلت را
در آتش چوب تر تنہا تسوجہ

(۱)

حالت پہ مری تجھے ترس آتا کیا
پتھر ہے تو پھر جلے گا دل تیرا کیا
جلتا ہوں کہ تیرے دل میں بھی آگ لگے
ظاہر ہے جلیگی چوب تر تنہا کیا!

(۲)

دلم از درد تو دائم غمینہ
بہ بالیں خشتم و بستر زمینہ

(۲)

دائم ترے درد سے ہوں رنجور و حزیں
تکیہ مرا خشت اور بستر ہے زمیں

ہمیں جرمم کہ موتہ دوست دیرم
نہ ہرکت دوست داروحالش اینہ

یہ جرم سہی کہ میں ترا عاشق ہوں
لیکن سب عاشقوں کا یہ حال نہیں

(۳)

ز دل نقش جمالت در نشی یار
خیال خط و خالت در نشی یار
مژہ سازم بگرد دیدہ بر چیں
کہ خوں ریژہ۔ خیالت در نشی یار

دل سے نہیں مٹتی تری تصویر جمال
ہٹتا نہیں اک دم کو خیال خط و خال
پلکوں سے یہ روک ہو کہ جب خون بہے
ایسا نہو آنکھوں سے نکل جائے خیال

(۴)

بنیہ یکدم دلم خرم نمونہ
وگر روئے تو دینم غم نمونہ
اگر دردو دلم قسمت نموین
وے بے درد در عالم نمونہ

دل تیرے بغیر شاد و خرم نہ رہے
جب دیکھ لوں تجھکو تو کوئی غم نہ رہے
کردیں مرا درد سب کو تقسیم اگر
بے درد کے کوئی فرد عالم نہ رہے

(۵)

دلے دیرم زعشقت گیشہ ویژہ
مژہ برہم زنم سیلابہ خیژہ
دل عاشق مثال چوب تر بے
سرے سوجہ سرے خونابہ ریژہ

دل عشق میں تیرے کیا الم سہتا ہے
دریا مری آنکھ سے رواں رہتا ہے
عاشق کا بھی دل ہے چوب تر کی مانند
جلتا ہے ادھر۔ خون اُدھر بہتا ہے

(۶)

دلے نازک لبساں شیشہ ام بے
اگر آہے کشم اندیشہ ام بے
سرشکم گر بوہ خونیں عجب نیست
موآں دیرم کہ در خون ریشہ ام بے

شیشے کی طرح دل ہی نزاکت پیشہ
اک آہ میں ہے شکست کا اندیشہ
خونیں نہوں اشک کیوں کہ ہو بیخ و شجر
ہے خون میں غرق جس کا ریشہ ریشہ

(۷)

ز شور انگیزی چرخ فلک بے
کہ دائم چشم زخم پُر نمک بے

مجھ پر ستم و جور فلک رہتے ہیں
دائم مرے زخم پُر نمک رہتے ہیں؛

دمادم دود آہم تا سماوات
دلم نالان و اشکم تا سمک بے

یا آہ رسا تا بہ سما رہتی ہے
یا اشک رواں تا بہ سمک رہتے ہیں

(۸)

خداوندا زبس زارم ازیں دل
شو و روزاں در آزارم ازیں دل
زبس نالیدم از نالیدنم ــ کس
زمو لبتوں کہ بیزارم ازیں دل

(۸)

اس دل کے سبب سے خستہ و زار ہوں میں
آزار میں دن رات گرفتار ہوں میں
نالاں ہوں میں۔ نالہ و فغاں سے اپنے
لیلے کوئی دل کہ دل سے بیزار ہوں میں

(۹)

ز دست دیدہ و دل ہر دو فریاد
کہ ہرچہ دیدہ بینہ دل کنہ یاد
بسازم خنجرے نیشش ز پولاد
زنم بر دیدہ تا دل گردہ آزاد

(۹)

فریاد دل و دیدہ سے یارب فریاد
دیکھے جو نہ آنکھ۔ دل کرے پھر کیوں یاد
فولاد کی نوک کا بناؤں خنجر
اور بھونک لوں آنکھ میں کہ دل ہو آزاد

(۱۰)

خرم آناں کہ ہر زماں تہ وینن
سخون واتہ کرن واتہ نشینن
گرم پائے نہ بے کایم تہ وینم
بشم آنوں بوینم کہ تہ وینن

(۱۰)

خوش ہیں جنھیں دیدار میسر ہے ترا
باتیں کریں۔ پاس بیٹھیں۔ تو کیا کہنا!
دیدار ترا جو میری قسمت میں نہیں
جو دیکھتے ہیں تجھے۔ انھیں دیکھوں گا

حامد حسن قادری


# تذکرۂ خندۂ گل

مولفۂ مولوی عبدالباری آسی جس میں ۳۰۰ سے زائد اردو فارسی کے ظریف شاعروں کے حالات مع اُنکے لطائف و ظرائف و انتخابات کلام کے درج ہیں۔ اُردو میں اپنے موضوع کے لحاظ سے بالکل اچھوتی چیز ہے۔ حجم ۵۰۰ صفحات۔ قیمت چار روپیے۔ علاوہ محصول۔

مینیجر "نگار" لکھنؤ

# شجاع حیدری

## فارسی زبان کی ایک عجیب کتاب

"شجاع حیدری" اغلباً ابھی تک غیر مطبوعہ کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس عجیب و غریب کتاب کا ایک قلمی نسخہ ہمارے پیش نظر ہے۔ اور کیا عجب کہ یہ "ایک" "واحد" نسخہ کی حیثیت رکھتا ہو۔

میرے ایک ہم وطن بزرگ غلام نجف مرحوم نے، جو غدر ۵۷ء سے پہلے داروغۂ جیل کے عہدہ پر ممتاز تھے، اور کتب بدلیعہ کے جمع کرنیکے خاص طور پر شائق (گو اُن کی علمیت کی سطح اور علمی مذاق کا معیار ان کے شوق کے ہم پلّہ نہ تھے) بدشواری تمام ۱۲۶۹ھ (۱۸۵۳ء) میں اسکی نقل اپنے ضلع کے رئیس محمد غلام غوث صاحب تعلقہ دار جہاجھر ضلع بلند شہر کے کتبخانہ سے حاصل کی تھی اور چمڑے کی ایک خوشنما جلد میں جس کے سیدھی طرف سونے کے جلی حروف میں کتاب کا نام درج ہے اُسے مجلّد کرایا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ اس کتاب کو عزیز رکھتے اور خاص دلچسپی کی نظر سے دیکھتے ہوں گے۔

کتاب کے خاتمہ پر مرحوم نے اس کتاب کے متعلق جو روداد لکھی ہے وہ بجنسہ نقل کرتا ہوں:-

"تمت تمام شد کتاب "عجائب البلدان"۔ کاتب الحروف احقر العباد خاکپائے اُستادان والاتبار و بندہ درگاہ رحمانی غلام نجف عمانی (عثمانی) عفی اللہ عنہ ساکن برن شہر بیست بلند طال اللہ طولہ و بسط اللہ عرضہ امن المکان باالمکینتہ کہ شوق اجتماع کتب ہائے بدلیعہ داشت و کتابے چند غریبہ فارسی و مسائلات (مسائل) و فقہ و حکمت وغیرہ از جائے کہ بہ قیمت خواہ برائے نقل کہ بہم رسید دستیاب نمودم۔ بسمع خاکسار رسیدہ کہ کتابے موسومہ شجاع حیدری من تصنیف محمد حید، خلد اللہ ملکہ کہ عجائبات و غرائبات ممالک انتخاب نمودہ انداز سمت ولایت بکتبخانہ سرکار فیض آثار میاں محمد غلام غوث صاحب تعلقہ دار قصبہ جہاجھر دام اللہ اقبالہ درآمدہ است۔ مشتاق مطالعہ اش بودہ ہزار حبت وجوے از سرکار موصوف طلب داشتہ۔ معاینہ حال مندرجہ اش حض (خط) وافی برداشتہ نقلش بعرصہ

قلیل نمودہ شد کہ بعون الٰہی بتاریخ پنجم شہر ربیع الثانی سنہ ۱۲۶۹ہجری نبوی در روز دوشنبہ پس از الفراغ نمازعصر بمقام اٹہ جیلخانہ ضلع بلند شہر کہ بعہدہ داروغگی محبس ممتاز است صورت اختتام پذیرفت۔ اللہ بس باقی ہوس۔ فقط بپاس خاطر برخورداران محمد عبد العزیز و عبد الواحد طال اللہ عمرہٗ و قدرہٗ و علمہ و عزتہٗ قلم بند گردید۔

ہر کہ خواند دعا طمع دارم
زانکہ من بندہ گنہگارم
من نوشتم صرف کردم روزگار
می نمانم پس بماند یادگار

تمت تمام شد۔ کار من نظام شد

تم تم تم تم تم

تمام شد

خدا مرحوم کو غریق رحمت کرے۔ وہ عرصہ ہوا وفات پا چکے۔ بلکہ اُن کے فرزندان دلبند بھی جنکے بپاس خاطر اپنا قیمتی وقت صرف کرکے اُنھوں نے اس کتاب کو نقل کیا تھا۔ اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ البتہ انکی یہ قلمی یادگار، جو خود بھی نہایت آسانی سے فنا ہو جانیوالی چیز ہے۔ محض حسن اتفاق سے باوجود غدر کی دستبرد کے اس وقت تک محفوظ رہ گئی ہے۔

خاتمہ کی عبارت کے (جس میں کاتب نے فی الواقع اُسکے اختتام کو ظاہر کرنے کیلئے غیر معمولی اہتمام دکھایا ہے)، پڑہنے سے ناظرین کو خیال ہوگا کہ اس کتاب کا مصنف محمد حیدر (جسے خلد اللہ ملکہ کی دعا سے یاد کیا گیا ہے) اُس زمانہ میں کوئی تاجدار حکمراں تھا۔ لیکن ناظرین کے استعجاب کی کوئی حد نہ رہے گی۔ جب وہ یہ سنیں گے کہ اس کتاب کے مصنف کی ذات کو فی الواقع نہ حکومت سے تعلق تھا، نہ اُس عہد سے، بلکہ وہ اُس وقت سے کم از کم دو سو برس پہلے وفات پا چکا تھا!

یہ مصنف کون تھا؟ کس زمانہ میں تھا؟ کتاب کب لکھی؟ اور کس فن میں لکھی؟ ان سوالوں کا جواب حسب معمول اس کتاب کے دیباچہ میں ملجاتا ہے۔ جہاں مصنف بعد حمد و نعت کے لکھتا ہے:۔

" ہزاراں ہزار آفرین و تحسین بذاتِ پادشاہِ مقدس جم جاہ ملائک سپاہ ظل اللہ نور الدین و محمد جہانگیر پادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ کہ از میامن قدوم سعادت لزوم آں ہمہ ہندوستان دار الامان (دار السلام) گردیدہ، رعایا از دست تعدی ایام در مساکن خود با آرام گزیدہ

بدعائے ازدیاد عز و دولت بندگان آنحضرت مشغول اند۔ خدیو گیہان بر سر بندگان او سبحانہ تعالے ابد الدہر ظل گستر داراد۔

بعد ازاں بندہ احقر العباد محمد حیدر کہ بعد تحصیل علوم مشغول مطالعہ تواریخ اسلام گردیدہ پارہ چند از استادان معتبر بدست آوردہ ترتیب نمودہ کہ او سبحانہ تعالے بید قدرت خود آں قسم عجائبات و غرائبات آفریدہ کہ عشر عشیر آں بقیہ قلم نیاوردہ وفا تہ می باید کہ عجائبات ہر ولایت را بیان نماید۔ لاچار حسب ضرورت شمہ ازاں از خوارق ایشاں از ہر ولایت بعضے عجائبات الٰہی بہ تحریر آوردہ، تا پادشاہان صاحب عزم را از حقائق ممالک اطلاعی بودہ باشد۔ چوں نسخہ بانجام رسید بہ نظر ہمایوں صاحب عالم و عالمیان و شاہزادہ عالی تبار بلند اقبال جواں بخت والا جاہ محمد شجاع بہادر گذرانیدہ۔ از محفل قدس آئین سلطان بہ شغل تواریخ نویسی بادشاہ سابق موصوف و مدام جناب انور الشان در تردد و تلاش عجائبات قدرت الٰہی معروف بود۔ چوں ایں نسخہ بہ نظر مبارک شاہزادہ والا تبار گذشت۔ از مطالعہ آں خیلے مزاج مبارک خورسند گردیدہ، فی الجملہ اثباتاً بعضے عجائبات و غرائبات کہ در ولایت ہندوستان و دیگر ولایت کہ مذکور خواہد شد مردم معتبر را از محرماں و خاصان خود بولایت قریب و دور رخصت فرمودند کہ عجائبات ہر ولایت را تحقیق کردہ باشند۔ چنانچہ ایں بندہ احقر را با سیادت پناہ فضائل و کمالات دستگاہ سید علاء الدین بجانب ولایت کشمیر و تاشقند و ایران و توران رخصت فرمودند۔ و فرصت دو سالہ عنایت کردند کہ، در عرصہ دو سالہ آنچہ عجائبات ولایتہا معلوم شود ہمہ را ملاحظہ کردہ بیاید۔ بفضل الٰہی بہ اقبال شاہنشاہی زیادہ از مرقومہ صنعت الٰہی را ملاحظہ کردہ۔ صورت حال بہ مہر سکنائے آں دیار براں عجائبات کردہ۔ بہ نظر اقدس آنحضرت خدیو دولت گذرانیدم۔ و بہ ہمیں عنوان دیگر کساں معتبر را شاہزادہ کشورستاں برائے تعیین عجائبات ولایت را رخصت فرمودہ بودند۔ آں ہمہ نیز عجائبات آں ولایت را ملاحظہ کردہ۔ صورت حال بہ مہر روسائے آں دیار گردیدہ آوردند بہ نظر اقدس ہمایوں گذرانیدند۔ ہر یکے ازاں جملہ بعد سہ سال و چہار سال بدولت ملازمت سعادت حاصل کردند۔ چوں ایں ہمہ ولایتہائے قریب بودند بہ ملاحظہ ایں معلوم شدہ آں ولایت کہ دور بودند کوائف آں از روئے سیر و تواریخ داخل ایں نسخہ فرمودہ ایں نسخہ را شجاع حیدری نام نہادند، و داخل کتبخانہ خاص فرمودند۔"

اس سولھویں صدی عیسوی کی ہندوستانی رنگ کی منشیانہ فارسی عبارت کے پڑھنے سے جس میں کہیں کہیں نقل کی عام دستبرد نے بھی تھوڑا سا انتشار پیدا کر دیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا مصنف

محمد حیدر تاریخ کا خاص طور پر شیفتہ و دلدادہ تھا، اور اُس نے اس فن میں بہت سی کتابیں دیکھی تھیں۔ وہ شاہزادہ محمد شجاع کے دربار میں ملازم تھا۔ نوجوان تیموری شاہزادہ اپنے آباؤ اجداد کے قدم بقدم علوم وفنون کا خاص طور پر دلدادہ و سرپرست تھا۔ اُسی کے لئے مصنف نے یہ کتاب لکھی۔ نوجوان شاہزادہ نے اس کتاب کے مصنف اور ایک اور اپنے ملازم سید علاءالدین کو دو برس کی رخصت دے کر کاشمیر و طاشقند و ایران و توران اور بعض دیگر اشخاص کو تین تین چار چار برس کے لئے دیگر ولایات کی سیر کے لئے بھیجا۔ ان بزرگوں نے ان ملکوں کی سیریں کر کے عجائبات قلمبند کئے۔ اور مصنف کا بیان ہے کہ اُن ملکوں کے رہنے والوں کی مہریں لگا کر حالات پیش کئے۔ یہ کتاب اُن تمام علومات پر مبنی کی گئی ہے۔ البتہ دور دور دراز ممالک کے حالات دوسری کتابوں سے نقل کئے گئے ہیں۔

نوجوان شاہزادہ کی علمی شیفتگی بلاشبہ قابل ستائش ہے۔ ان بزرگوں نے براہِ راست و بالواسطہ جو کچھ مواد پیش کیا، اُس کے ذمہ دار وہ ہیں۔ نتیجہ بہر حال ایک ایسی انوکھی کتاب ہے، جس میں ہر قسم کی عجائبات و غرائبات درج ہیں، جن کی تصدیق و تردید سے اس وقت ہمیں مطلب نہیں ہے یہ کتاب خود بھی عجائبات کے کتب خانہ میں رکھی جانیکے قابل ہے۔ اور اُس کے اکثر بیانات الف لیلہ اور داستان امیر حمزہ کے بعض غرائب کے ہم پلہ ہیں۔

یہ امر البتہ صحیح نہیں کہ یہ کتاب جہانگیر کے عہد میں لکھی گئی۔ ہندوستان کے حالات میں شاہجہاں آباد (دہلی) کا تذکرہ موجود ہے۔ اس کتاب کا زمانہ شاہجہاں کا آخر عہد سلطنت معلوم ہوتا ہے۔ نقل کرنے میں کاتب سے شاہجہاں کا نام نظرانداز ہو گیا ہے اور صرف اُس کی ولدیت جو مصنف نے لکھی تھی۔ باقی رہ گئی ہے۔

یہ دشوار ہے کہ اس کتاب پر جو پیش نظر قلمی نسخہ میں ۴۰۰ صفحات میں ختم ہوئی ہے، اور جس کے ہر صفحہ میں ۱۴ سطریں ہیں، کوئی مفصل تبصرہ لکھا جا سکے۔ اس کا مطالعہ ہمارے اُن بزرگوں کو جن کی نظر سے یہ کتاب گذری ہوگی۔ اپنا وقت لطف اور حیرت و استعجاب سے گذارنے میں بہت کچھ مدد دیتا ہوگا۔ آج ہم کو اس نظر اور اعتبار و اعتقاد سے اُس کے مضامین کو نہ دیکھ سکیں جو شاید اُس کتاب کو بعض قدیم ناظرین کو حاصل تھے۔ لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ آج بھی اُس کا مطالعہ خالی از لطف نہیں۔ البتہ موجودہ حالات اس کے مساعد نظر نہیں آتے کہ ہمیں یا ہمارے ناظرین کی اس قسم کی سیر و سیاحت نصیب ہو سکے۔ جس میں تین چار برس صرف کرنے کے بعد ایک ایسی کتاب پیش کر کے خوش آمدید حاصل کر سکیں۔ جو شاید اس کتاب کے مصنف اور اُس کے ساتھیوں کو حاصل ہو گئے تھے۔ زمانہ نہایت تیزی سے ہمارے تخیل و اعتقاد کے پرے شکست و ریخت کر رہا ہے۔

اور اُس کے ساتھ مسرت و یقین کی بعض نہایت خوشگوار کیفیات نفسی سے ہم محروم ہوتے جارہے ہیں۔ یہ علم و حکمت کا تلخ مگر ناگزیر ثمرہ ہے، جس کی تلافی کے لئے روز بروز انسانی تخیل دوسرے قسم کے میدانوں میں سرگرداں ہے، لیکن یہ بجد مشتبہ ہے کہ ان چیزوں سے حقیقی لطف اندوزی کے لحاظ سے ہم اپنے نیکدل و پاک طینت بزرگوں کے کہاں تک ہم پلّہ ہو سکتے ہیں۔

کتاب کا آغاز حسب معمول حمد و نعت سے ہوتا ہے۔ جس میں عجائبات کی نسبت ملحوظ کی گئی ہے چند فقرات ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں:۔

"سپاس بیقیاس مرخالقے را کہ طبقات زمین و آسماں را در ہوا معلق داشتہ و افلاک را بر ترتیب کواکب آرائش دادہ، زمین را باستواری کوہ ہا پیرائش بخشیدہ۔ خدائے کہ انساں را بیک خاک آفریدہ چہ خلعت و عنایات و تفضلات فرمودہ، بر طبقۂ زمین از صفات و قدرت خود چہ عجائبات بظہور آوردہ کہ چشم کہ قدرت ادرا تواند دید۔ کو عقلے کہ بہ صنعت او تواند رسید"

سب سے پہلے ولایت توران کا ذکر ہے۔ یہ تقدم شاید اس وجہ سے دیا گیا ہے کہ اُس عہد کے شاہی خاندان کا قدیم مرزبوم و آبائی وطن یہی ملک تھا۔ جس طرح آج انگلستان کا ملک ہماری زبان ولایت کے نام سے موسوم ہے۔ اسی طرح اُس زمانہ میں یہ ملک جہاں سے ہندوستان کی حکمراں قومیں آئیں ولایت کہلاتی تھی۔

توران سے اس مصنف کا مطلب ممالک ماوراء النہر ہیں۔ جنھیں آج کل ترکستان شرقی و غربی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس ملک کی صفت اس طرح لکھی ہے:۔

"ولایتے است بسیار وسیع و عالی لبیار دشت و کوہ کمتر آبادی در آں ولایت بسیار شہر عالی اند چنانچہ سمرقند و تجار او اندرجان و دیگر مواضعات و برگنات اند کہ پہلو شہر ہا می زنند..... زمینے است سبز و سیراب از فواکہ در آں ولایت اقسام پیدا می شوند و مردمانش سرخ و سفید رنگ می باشند۔ اکثرے ازاں قوم نسبت بولایت دیگر صاحب شمشیر و مبارز و دلیر می باشند، در موسم بارش برف اکثر جا ہا باراں می بارد۔ و مردم شہر ہا بسیار بکشت و کار آغشتہ اند، و در تحصیل علم سرگرداں۔ الخ"

اب اس ملک کے دو ایک عجائبات سنئے۔

(۱) آخر حد و صحرائے قلماق میں ایک کنواں ہے۔ جو پارہ سے بھرا ہوا ہے، حسین عورتیں اُس کنوئیں پر سوار ہو کر جاتی اور آواز دیتی ہیں تو پارہ کنوئیں سے آنے لگتا ہے۔ یہ عورتیں گھوڑے دوڑا دیتی ہیں ایک ایک کوس تک پارہ اُن کا پیچھا کرتا ہے اور گڑھوں میں جو پہلے سے کھدے ہوئے طیار رہتے ہیں بھر کر رہجاتا ہے۔ وہیں سے نکال کر بیچا جاتا ہے۔

(۲) اس ملک میں ایک حصار ہے، جس کے قریب ایک پہاڑ ہے اُس پہاڑ کے اندر ایک غار ہے اُس غار میں سے ظلمات کو راستہ جاتا ہے۔

توران کے بعد ایران کا نمبر ہے۔ وہاں کے چند عجائبات حسب ذیل بیان کئے گئے ہیں:۔

(۱) ملک خراسان میں ایک پہاڑ ہے جسے سفان کہتے ہیں۔ اُس میں ایک غار تنگ و تاریک ہے جو بیمار صدق دل سے وہاں جاتا ہے اچھا ہو جاتا ہے۔

(۲) نواحی بلخ میں ایک موضع ہے۔ جسے دمہ فرعون کہتے ہیں۔ وہاں ایک پتھر ہے۔ اس موضع کی یہ خاصیت ہے کہ اگر سو آدمی بھی زور سے چلائیں تو ایک دوسرے کی آواز نہ سُن سکے۔ اس پتھر کو سنگ کر کہتے ہیں۔

(۳) ایک کنواں ہے جس میں اگر کوئی چیز ڈالدی جائے تو فوراً باہر پھینکدی جاتی ہے۔

(۴) ولایت ایران کے آخر حدود میں ایک پہاڑ ہے۔ جہاں ہر روز بلا ناغہ بارش ہوتی ہے۔ برف کے اندر سے سبز رنگ کے مُرغ پیدا ہوتے ہیں۔ جب برف پانی ہو کر پگھل جاتا ہے تو پھر مرغ برف سے نکل کر پرواز کرتے ہیں، اور کسی دوسری جگہ اپنا آشیانہ جا بناتے ہیں۔

توران و ایران کے بعد ہندوستان کا بیان ہے۔ پہلے اس ملک کی صفت و ثنا اسطرح لکھی ہے:۔

"ولایت ہندوستان جنت نشان سر سبز و سیراب، دانبوہ خلائق در آں ولایت بسیار است۔ ممالک دیگر بممالک ہندوستان پیوستہ۔ ہر ولایت شہر ہائے عالی و بزرگ (دارد) چنانچہ کابل و کاشمیر و پنجاب و ملتان و ٹھٹہ و سرہند و لاہور و شاہجہاں آباد و لکھنؤ و الہ آباد و بیجا پور، و ولایت ملک دکھن و حیدر آباد و ممالک دیگر گجرات و ٹٹہ و مقصود آباد و برہان پور وغیرہ داخل ہندوستان مقرر اند۔ جلال عظیم الشان پادشاہ مقابل جلال صنعت الٰہی است کہ در آں ہفتاد و دو ملت ہمہ مطیع و فرمانبردار اند۔ پادشاہ آنجا با ہر ملت چوں ملت خود نگہبان۔ لشکر بیکراں از سوار و پیادہ ہمراہ خود دارد۔ مخارج جمع لشکر از خزانہ خاص مقرر است، سوائے ممالک را تقسیم نمودہ بقدر ہر ایک از امرایان عظام و مردم انام سائر عوام با لہا دادہ کہ تا مداخل انجا را در مخارج خود با صرف می نمودہ باشند"۔

مصنف نے سلاطین مغلیہ کی طریق رواداری پر خاص طور پر زور دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اس ملک میں بہت سے مذاہب آباد ہیں۔ لیکن بادشاہ سب کے مذاہب کی نگہداشت مثل اپنے مذہب کے کرتا ہے چونکہ یہ ایک معاصر مسلمان مصنف کا بیان ہے، جس کی پیش نظر ہمارے زمانہ کے سیاسی مصنفوں یا مورخوں کی

طرح کوئی مصلحت یا صوابدید پیش نظر نہ تھی۔ جس کی وجہ سے وہ صداقت سے انحراف کر کے خلاف واقعہ لکھتا، اُس کا بیان اس بارہ میں کہ اُس عہد میں تمام مذاہب کے ساتھ انتہائی رواداری برتی جاتی تھی اور تمام مذاہب کے ساتھ صلح و امن کا برتاؤ سلطنت کی ایک مسلمہ اور بیّن پالیسی تھی۔ قطعاً ناقابل تردید و بلا پس و پیش قابل تسلیم ہے۔

کچھ جغرافیائی نوٹ بھی ملاحظہ ہوں :۔

"پنجاب زمینے است سبز و سیراب۔ مردم آنہا زرد رنگ و سفید و خوش عمارت و کاسب می باشند۔ کشتکاری آں ولایت بسیاری از آب چاہ و ہم از بارش باراں می شود"

ملتان شہریست در زمین سند در ولایت ہندوستان ہوائش گرم و سر و مردم آنجا زرد رو بسیار می باشند صحرا بسیار و حد و پیوستہ بدریائے شور"

کاشمیر جنت نظیر کے متعلق :۔

"کشمیر ولایتے است در ممالک ہندوستان سبز و سیراب کم حاصل۔ گلہائے زنگارنگ تمام زمین او از گلہا و فواکہ لبریز در ہر جا و کوچہ و شہر جویہائے آب رواں جاریست۔ گل زعفران بسیار.....

مرداں آں ولایت سرخ و سفید۔ زنان بے پچیرہ مردم دیو سر۔ در آں ولایت بارش برف می شود"

اب ہندوستان کے کچھ عجائبات بھی سُن لیجئے :۔

(۱) کوہستان ہمالیہ میں جسے مصنف نے ملک برزج (؟) یا "کوہستان" سے نامزد کیا ہے تبت کے قریب (جسے کاتب نے غلطی سے شلب لکھا ہے) ایک دریا کا نام دریائے سنگیں ہے۔ انسان و حیوان جو کوئی اُس میں جا پڑے فوراً پتھر ہو کر رہ جاتا ہے۔

(۲) اسی کوہستان میں ایک تالاب ہے۔ نہایت گہرا اور بڑا، جہاں ہر سال لوگ جمع ہوتے ہیں بیچ تالاب میں ایک غار ہے، اُس غار میں ایک نہایت بلند درخت اُگا ہوا ہے، نہانے کے بعد لوگ اُس غار پر جاتے ہیں، وہاں ایک فقیر بصورت انسان نظر آتا ہے، جسے لوگ سجدہ کرتے ہیں، اور وہ فقیر وہیں غائب ہو کر رہ جاتا ہے۔

(۳) اُسی کوہستان میں ایک حیوان بہ شکل انسان رہتا ہے۔ جسے سمور کہتے ہیں۔

(۴) ملک دکھن میں ایک صحرا ہے جس کے حدود بجز ذات الٰہی کسی کو معلوم نہیں ہیں اُس صحرا میں انسان دراز گوش اور آدم بچھا اور دیگر حیوانات لنگور و میمون مشابہ انسان بکثرت ہیں :۔

"آفرینش ایں ہر چہار قوم مقابل بہ خلقت آفرینش مورد ملخ باشد کہ تعداد و شمار آنہا بجز ذات الٰہی

دیگر را معلوم نیست"۔

ہر قوم نے اپنا پادشاہ مقرر کر رکھا ہے۔ اور حدود ملک متعین کر لئے ہیں۔ یہ سب مکھیوں سے بہت ڈرتے ہیں۔ موسم بہار میں جب میوہ پک جاتا ہے تو یہ مکھیاں اُڑ کر میوؤں پر حملہ آور ہوتی ہیں۔ اُس وقت یہ سب اپنا گھر بار چھوڑ دیتے ہیں اور اپنے ممالک کی حدود پر آ جاتے ہیں۔ چاروں قوموں کے سردار یکجا ہو کر باتفاق آگ جلا کر مکھیوں کو شکست دیتے اور اپنے گھر از سرِ نو آباد کرتے ہیں۔ ان اقوام کے باقی ایام باہمی جنگ و جدل میں گزرتے ہیں۔

(۵) ہندوستان میں ہندوؤں کے ایک معبد میں ایک آرہ ہے، جس سے لوگ منتیں پوری کرنے کے لئے اپنی گردنیں کاٹ ڈالتے ہیں۔

اکبر بادشاہ نے اس آرہ کو توڑوا دیا تھا۔ لیکن وہ اب بھی بنارس میں ہے۔

(۶) ایک معبد میں ایک پتھر کا بُت ہوا میں معلق ہے۔ جس شہر میں یہ معبد واقع ہے۔ وہاں ایک عجیب رسم ہے کہ کفر و اسلام کی تفریق نہیں ہوتی۔ بازار میں دودھ چاول پکا کر جتنے آدمی ہیں اتنے ہی برتن رکھ دیئے جاتے ہیں۔ ہر شخص اپنا اپنا حصہ لے لیتا ہے۔ اگر کوئی بدنیتی کرے تو بیمار ہو کر مر جاتا ہے۔

(۷) ایک درخت ہے جس کا پھل انسان کی شکل کا ہوتا ہے۔

(۸) دکھن کے ایک غار میں ایک اژدہا ہے۔ جس کا سر گائے کی شکل کا ہے۔ اس غار سے پانی اُبل کر کنارہ تک آ جاتا ہے۔ اُس کی سطح پر کف ہوتے ہیں۔ جنھیں ظروف آہنی میں جمع کرنے اور دھوپ میں خشک کرنے سے سنگ مرمر بن جاتا ہے اور اُسے زہر مہرہ کہتے ہیں۔

(۹) ایک چشمہ ہے جو کاشتکاری کے زمانہ میں لوگوں کی استدعا پر اُبلتا ہے۔ اور قدرت الٰہی سے ایکدم تمام گرد و نواح کی زراعت کو سیراب کر دیتا ہے۔

(۱۰) کامرو دیش میں پہاڑوں کے اندر سیمرغ پیدا ہوتا ہے، جو اُس ملک کے صحراؤں میں ہاتھیوں کا شکار کرتا ہے۔

(۱۱) ایک چشمہ ہے (جسے اگر چشمۂ حیات سے تعبیر کیا جائے تو بیجا نہ ہوگا) جہاں کوہستان سے عقاب اپنے بچوں کے ساتھ آ کر چاندنی راتوں میں غسل کرتے ہیں۔ اُس میں نہانے سے بچوں کے پر نکل آتے ہیں۔ بوڑھا آدمی اگر اُس میں نہائے تو جوان ہو جائے۔

ہندوستان کے بعد فرنگستان اور پرتگال کا ذکر ہے۔ فرنگستان سے مصنف کی مراد یورپ سے ہے۔ وہاں کے حالات بھی سُن لیجئے، جو میرے خیال میں اپنے طرز کی ایک ہی چیز ہے:۔

یہ ایک بڑا ملک ہے جہاں آٹھ پادشاہ ہیں، جن کے پایہ ہائے تخت بڑے بڑے شہروں میں قائم ہیں۔ انگریزوں کے شہر کا نام لاروہے، اور شہروں کے نام تریان، علیلی بلوان، سیح، برکال (جسے کاتب نے ترنگال لکھاہے)، اور فرانسیس۔ ایک شہر سے دوسرے شہر تک دو ماہ مقرر ہیں اور ہر مقام کی مسافت بہت دور دراز ہے۔ اور بہت سے دریا اور جزیرے اور حصار و بیاباں ہیں۔

(۱) ایک پہاڑ کوہ غلمص نامی ہے، جہاں ایک دریا "نار موصلی" نام جاری ہے، جس میں حضرت عیسےؑ نے غسل فرمایا تھا، جو بیمار اُس دریا میں نہائے شفایاب ہو جائے، جو لوہا اُس میں ڈال دیا جائے اُس میں جوہر پیدا ہو جائیں۔ اُس ولایت کے لوگ سرخ رنگ "میش چشم" میگوں ہوتے ہیں گھوڑا کم ہوتا ہے، اونٹ کی سواری ہے۔ ندبہتے اور زربفت کی ٹوپیاں اوڑھتے ہیں۔ وہاں پانی نہیں ہوتا۔ برسات میں پانی جمع کرلیتے ہیں زراعت کم ہوتی ہے۔ لوگ تجارت پیشہ ہیں۔ ایک ملک کے لوگ زرد رنگ سیاہ مو گربہ چشم کوتاہ قامت بے ریش ہوتے ہیں۔ مرد وزن میں تمیز نہیں ہوتی۔ البتہ لباس میں فرق رہتا ہے وہاں ریگ سے سونا پیدا ہوتا ہے، اور اُس ملک کے حدود ہندوستان میں جانب بنگالہ و ایران وروم و روس سے ملے ہوئے ہیں۔ بعض جگہ خشکی سے اور اکثر تری سے۔

فرانسیسی نام کا جو شہر ہے وہ نہایت سر سبز و سیراب ہے اور طرح طرح کے فواکہ پیدا ہوتے ہیں۔ ہر گھر اور ہر گلی میں پانی کے چشمے جاری ہیں۔ کشمیر کی طرح وہاں طرح طرح کے پھول ہر گلی اور ہر صحرا میں پیدا ہوتے ہیں۔ اُس ولایت کی آمدنی فرنگ کے تمام دیگر ممالک سے زیادہ ہے، ہمیشہ موسم بہار رہتا ہے، ہر طرف سبزہ اور لوگ خوش و خرم۔ اکثر سیاح جو اُس ملک میں پہونچ گئے اُس کی بہار دیکھکر وہیں رہ پڑے، اور خدائے تعالےٰ کی یاد میں مشغول ہیں۔

پرتگال میں غلہ بہت پیدا ہوتا ہے اور دوسرے اور ملکوں میں جاتا ہے۔ یہاں کنیزان حسن جمال و پری چہرہ ہوتی ہیں۔ جو بڑی بڑی قیمتوں پر بکتی ہیں۔ تمام ملک فرنگ میں پردہ نہیں، جو شخص چاہے دوسرے کے یہاں بے تکلف مثل اپنے گھر کے جا سکتا ہے۔ ایک پہاڑ میں سنگ سبز خام مثل زمرد پیدا ہوتے ہیں، جنھیں سرماس کہتے ہیں، اُن کے استعمال سے چالیس دن میں پیر صد سالہ جوان اور ایک ہفتہ میں مایوس مریض شفایاب ہو جاتے ہیں، ایک اور پہاڑ ہے جسے "کوہ عدیم المثال" کہتے ہیں۔ وہاں الماس و لعل و فیروزہ و طلا پیدا ہوتے ہیں۔ اور صحرائے فرنگ میں ایک حیوان مثل ہاتھی کے ہوتا ہے جسکے پیر اگاڑے کی دُم گھوڑے کی گردن اونٹ کی ہے اسے "خرقہ الدت" کہتے ہیں۔

آخر میں مصنف لکھتا ہے کہ اس ولایت کے عجائبات کہاں تک لکھے جائیں۔ دفتر چاہیے

بہ نظر اختصار و بپاس خاطر ناظرین ان چند ہی پر اکتفا کیا گیا۔

افسوس ہے کہ مصنف کی کوتاہ قلمی سے ہم خدا جانے یورپ کے کن کن عجائبات کے بیان سے محروم رہ گئے۔ جو مصنف کے دماغ میں محفوظ تھے۔

یورپ کا یہ بیان اس قدر دلچسپ ہے کہ جتنی مرتبہ پڑھیے نیا لطف حاصل ہوتا ہے۔

اس باب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں انگریزوں کو کوئی امتیاز حاصل نہیں ہوا تھا۔ بلکہ انھیں اچھی طرح جانتے بھی نہ تھے۔ برخلاف اس کے فرانسیسی اور پرتگیز وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور خاص امتیاز رکھتے۔ بالخصوص فرانسیسیوں کی تعریف تو حد سے گذار دی ہے۔

شجاع حیدری کے دیگر ابواب و حصص پر بھی اسی طرح قیاس کر لیجئے ہیں اس انوکھی کتاب کے عجیب و غریب مضامین پر خندہ زن نہ ہونا چاہیئے۔ نہ خدا نخواستہ ہمارے سنجیدہ جغرافیائی و علمی لٹریچر کو، جس کے بہترین و بیش بہا خزانے ہمارے بزرگوں نے چھوڑے ہیں اور آج بھی دُنیا کی حیرت کا موجب ہیں، اس معیار پر سمجھنا چاہیئے۔

ایسے عجائبات و غرائبات کا بیان جو افسانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے کچھ ہمارے لٹریچر ہی سے مخصوص نہیں ہے۔ انسان کی ادبی تاریخ میں اس قسم کا لٹریچر شاید سب سے پہلے پیدا ہوا۔ وہ انسان کے عجائب پرستی و غرائب پسندی و سریع الاعتقادی کے فطری رجحانات پر مبنی ہے۔ اُس کا آغاز اسی وقت سے ہو گیا جبکہ خوفناک جنگلوں اور بادلوں میں ہمارے قدیم ترین آباؤ اجداد یکجا جمع ہو کر بیٹھتے اور اسی قسم کے افسانے بیان کر کے اپنے کچھ لمحے دلچسپی و خوش دلی سے گذار دیتے تھے۔ اُس کے بعد بھی تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ یہ خبریں ہماری مجلسوں کی گرمی کا موجب ہوتی رہیں۔ پچھلے زمانے ان چیزوں کے لئے خاص طور پر موزوں تھے۔ جبکہ آمد و رفت کی دشواریاں بہت بڑھی ہوئی تھیں، اور سفر نہایت دشوار تھا۔ اُس وقت ایسی باتیں خوب بنجھ جاتی تھیں۔ اور اُن سے پورا لطف حاصل ہو جاتا تھا۔ اور افسانہ نگار اپنے پُر سحر طریق پر جو قدیم سے جاری ہے جو چاہتا تھا بلا خوف و تردید کہہ دیتا تھا۔

"فلاں ملک میں ایک پہاڑ ہے، جس کی کھو میں ایک چشمہ ہے۔ فلاں ملک میں ایک دریا ہے۔ فلاں ملک میں ایک صحرا ہے، وغیرہ وغیرہ۔"

اب جہاں چاہیئے۔ آپ تلاش کر لیجئے۔ عجائبات کے مصنف کی ذمہ داری ختم ہو گئی۔ یعنی آپ کی حیرانی و سرگردانی، یا اگر آپ ان میں مبتلا نہیں ہو سکتے تو آپ کی تھوڑی سی تفریح!

سید حسن برنی

# آخری زار روس کا حشر

کہتے ہیں کہ خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں ہوتی۔ مگر حضرت یہ لاٹھی زار روس کی سر پر ایسی شایئں سے پڑی کہ ساری دنیا اُچھل پڑی۔ کیا کسی کو خیال بھی آسکتا تھا کہ جو ہستی "تعز من تشاء" کی فہرست میں اول نمبر پر ہے۔ وہ ایکدم "تذل من تشاء" کی صف نعلین میں آجائے گی۔ کیا کسی کو وہم بھی ہوسکتا تھا کہ جو اسٹیم رولر دنیا کو کچلنے کے لئے چلا تھا اس کا بوائلر اس طرح دھوں کر کے پھٹ جائے گا۔ کیا کوئی یہ سوچ بھی سکتا تھا کہ روس کے یہ "چھوٹے ابا"[1] یوں ایکا ایکی اپنے بچوں کے ہاتھوں جنت نصیب ہوجائیں گے۔ اور کیا یہ امید ہوسکتی تھی کہ جو شاہان وقت ان سے فرضی رشتے قائم کر کے چچا۔ بھتیجے۔ ماموں۔ بھانجے۔ اور خدا معلوم کیا کیا بنے بیٹھے تھے دنیا کو اس طرح "ٹکر ٹکر دیدم دم نکشیدم" کا نقشہ دکھائیں گے۔ مگر جناب۔

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی اک تماشہ ہے۔

زار روس مارے گئے اور اس طرح مارے گئے کہ کسی کو یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ کہاں مارے گئے۔ کس نے مارا۔ کن کن کو مارا۔ کیونکر مارا۔ اور ان کا مزار مقدس کس جگہ ہے۔ ۱۹۱۸ء کے واقعہ پر سے اب کچھ کچھ پردہ ہٹ رہا ہے۔ ادھر ادھر کے لوگ شہادتیں بہم پہنچا رہے ہیں۔ کاغذات کو دیکھکر پتہ چلا رہے ہیں۔ مگر اس پر بھی یہ حالت ہے کہ ایک یہاں کل وہاں کوئی اللہ کی بندی یا اللہ کا بندہ پیدا ہوجاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں زار کا بھائی۔ میں زار روس کی بہن ہوں لوگ پوچھتے ہیں کہ حضرت اب تک آپ کہاں تھے۔ تو کوئی صاحب تو اپنا چین میں ہونا بیان کرتے ہیں۔ کوئی ترکستان کی دشت نوردی کے قصے سناتے ہیں۔ لیکن آخر کو سب جھوٹے ثابت ہوتے ہیں۔ ابھی تھوڑے دنوں کی بات ہے کہ ایک بیگم اسپتال میں بھی کہتے کہتے مرگئیں کہ میں زار کی بہن ہوں۔ دنیا بھر نے جھٹلایا مگر اسکو "نہیں" نہ کرنی تھی اور نہ مرتے دم تک کی۔ کہتے ہیں کہ آدمی مرتے وقت ذرا سچ بولنے لگتا ہے۔ اور اسی وجہ سے قانون نے ایسے بیان کو قابل ادخال شہادت قرار دیا ہے۔ مگر شاباش ہے اس مرنے والی پر کہ اس نے قانون کے اس مسلمہ اصول کو غلط ٹھہرا دیا

---

[1] عیسائیوں میں عام طور سے حضرت عیسیٰ کو (FATHER) باپ کہتے ہیں۔ اور روس والوں کی جدت قابل داد ہے کہ انہوں نے اپنے بادشاہ کو پیغبر سے کچھ ہی گھٹا کر (LITTLE FATHER) (چھوٹے ابا) کا خطاب دیا تھا۔

ہاں صحیح تو ہے جب خدا کا ڈر نکل گیا تو پھر بچارے بندے کس شمار و قطار میں ہیں۔

توخیر۔ زار روس مر گئے۔ مگر یار دوگوں کو قصے کہانیاں بنانے۔ مورخوں کو اس معمہ کے حل کرنے اور دنیا بھر کو اس کے متعلق تو تو۔ میں۔ میں کرنے کے لئے کافی مواد چھوڑ گئے۔ غرض اب خدا خدا کرکے ان کے اس جہان فانی سے رخصت ہونے کا کچھ کچھ پتہ چلا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ بالنس پر چڑھ کر گرتے ہیں اونکا کیا حال ہوتا ہے۔ آپ بھی سُن لیجئے۔ اور ممکن ہو تو عبرت حاصل کیجئے۔ گو مجھے کیا سب کو معلوم ہے کہ کوئی بھلا آدمی کسی مضمون یا کتاب کو اس لئے نہیں پڑھتا کہ اس سے کچھ سیکھے۔ بلکہ اس لئے پڑھتا ہے کہ کسی طرح وقت کٹ جائے اور پھر یہ کہہ کر کتاب بند کر دیتا ہے کہ

مر گئے مردود جن کی فاتحہ نہ درود،

زار یوں تو بظاہر ہٹا کٹا۔ موٹا تازہ آدمی تھا۔ مگر جنیا بیگم کے شوق نے اسکی طبیعت میں ذرا ضرورت سے زیادہ نرمی اور حد سے زیادہ کاہلی پیدا کر دی تھی۔ اسکی بیوی پہلے جرمنی کی ایک چھوٹی سی ریاست ہیسی کی شہزادی تھی قسمت کے زور سے روس جیسی سلطنت کی ملکہ ہو گئی۔ ہے یہ کہ جب کوئی چھوٹے درجہ سے ایک دم بڑے درجہ پر پہنچ جاتا ہے تو چھوٹا اپنے برابر والوں کو حقارت سے دیکھنے لگتا ہے۔ اسکی یہ حالت۔ زار کی یہ کیفیت۔ یہ ناؤ اب نہ ڈوبتی تو کب ڈوبتی اس پر یہ طرہ ہوا کہ بیگم نے لڑکیوں پر لڑکیاں جننی شروع کیں۔ ملک کہتا کہ بادشاہت کے لئے لڑکا لاؤ۔ یہ لڑکی جن کر کہتیں۔ ابکی لڑکا دونگی۔ خیر ہوتے ہوتے ایک لڑکا ہو ہی گیا۔ ملک میں بڑی خوشی ہوئی۔ لیکن رعایا کے صدمہ کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب انکو یہ معلوم ہوا کہ ولیعہد سلطنت کو ایسا لاعلاج مرض ہے[۱] کہ اس سے اس بیچارے کا جانبر ہونا ممکن نہیں۔ ولیعہد ہوئے تو اس رنگ کے۔ اور اس پر یہ غضب ہوا کہ زارینہ اس خیال سے کہ یہ اولاد نرینہ پادری رسپوٹین کی دعا سے ہوئی ہے۔ ان پادری صاحب کی ایسی معتقد ہو گئی کہ بغیر انکی صلاح کے قدم اُٹھانا حرام سمجھتی۔ رسپوٹین نے زارینہ کی اس کمزوری سے وہ فائدے اُٹھائے کہ خدا کی پناہ۔ ہزاروں شریفوں کے گھرانے اسکی حرام کاری سے تباہ ہو گئے۔ ہزاروں شریف آدمی اسکی چالوں کا شکار ہوئے۔ غرض تمام روس میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ ادھر یہ گڑبڑ مچ رہی تھی۔ اور ادھر یورپ کی جنگ عظیم شروع ہو گئی۔ رسپوٹین کو اس سے بہتر ہاتھ لگنے کا اور کون سا موقعہ مل سکتا تھا وہ جرمنی سے مل گیا۔ اور زارینہ کے ذریعہ سے زار روس سے ایسے ایسے احکام نکلوائے کہ تھوڑے ہی دنوں میں بہی خواہان

---

[۱] اس مرض کو ہیموفیلیا (HAEMOPHILIA) کہتے ہیں۔ اور اس میں ہوتا یہ ہے کہ مریض کو اگر ذرا سا زخم بھی لگ جائے تو پھر خون کسی طرح نہیں تھمتا۔ بعض وقت ایسا ہوتا کہ خود بخود جلد پھٹ کر خون بہنے لگتا ہے۔ اور مریض خون بہتے بہتے ختم ہو جاتا ہے۔

سلطنت بڑے بڑے عہدوں سے علحدہ کر دیے گئے اور ان کی جگہ رسپوٹین کے حواریوں کو مل گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فوج کو شکست پر شکست ہونی شروع ہوئی۔ راشن اور سامانِ جنگ کی کمی نے فوجوں کو بددل کر دیا۔ جنگ کے نقشے کھل جانے سے لڑائی کا رنگ بدل گیا۔ جب نوبت یہاں تک پہنچی تو روس کے ایک شہزادے پرنس فیلکس یوسوپونے اپنے چند دوستوں کی مدد سے رسپوٹین کا خاتمہ کر دیا۔ زارینہ کو بڑا صدمہ ہوا۔ اور رسپوٹین کے یہ الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے کہ "میرے مرنے کے تھوڑے ہی دن بعد تمہارے سارے خاندان کا خاتمہ ہے۔"

سنہ ۱۹۱۶ء میں خاندان شاہی میں یہ کھچڑی پکنی شروع ہوئی کہ زار نکولاس کو تخت سے اتار کر کسی اور کو بادشاہ بنانا چاہیئے۔ اسی زمانہ میں دارالسلطنت میں خوراک کی کمی اور جاڑے کی زیادتی نے تمام ملک میں بدامنی پھیلا دی۔ زارینہ نے رسپوٹین کا بدلہ لینے کے لئے زار روس سے اُلٹے سیدھے احکام نکلوانے شروع کئے۔ ان احکام نے آگ پر تیل کا کام کیا۔ رعایا بددل تو تھی ہی۔ اب بغاوت پر آمادہ ہو گئی۔ ۹ رمارچ کو خاص دارالسلطنت میں بغاوت ہوئی۔ زار روس اس زمانہ میں محاذ جنگ پر تھا۔ زارینہ نے اپنے اختیارات سے اس شورش کو دبانے کے لئے پولیس بھیجی۔ اور جب وہ انتظام نہ کر سکی تو رعایا پر فیر کا حکم دیدیا۔ اس جلد بازی نے تو رنگ ہی بدل دیا جو فوج پہلے سلطنت کے ساتھ تھی وہ بھی رعایا سے مل گئی۔ دوسرے دن شہر میں کامل ہڑتال ہوئی۔ لوگوں کے گروہ کے گروہ شہر میں چکر لگا رہے تھے۔ انکو منتشر کرنے کے لئے فوج بھیجی گئی۔ وہ جاتے ہی رعایا سے مل گئی۔ روس کی سب سے بہادر اور وفادار فوج پریہوبرازہنسکی (PREHOBRAZHENSKY) تھی۔ وہ بھی اس عام اثر سے نہ بچ سکی۔ اور زارینہ کے محل کا پہرہ چھوڑ کر باغیوں سے جا ملی۔ اور اس طرح ایک ہی دن میں بغاوت مکمل ہو گئی۔

دارالسلطنت میں جو آگ لگی تھی۔ اس کے شعلوں سے چند ہی دن میں سارا ملک بھڑک اُٹھا۔ ہر حصہ ملک میں عارضی حکومتیں قائم ہو گئیں۔ زار روس نے جنرل "آئی ون ہو" کے تحت اس فساد کو رفع کرنے کے لئے فوج روانہ کی۔ لیکن وہ اس طوفان بے تمیزی میں سے نہ گزر سکی اور آخر اس کو واپس ہونا پڑا۔ جب رعایا نے اپنے انتظامات پورے کر لئے تو زار سے مطالبہ کیا کہ تخت سے دستبردار ہو جائے۔ بھلا ایک افیمی کو تخت سے کیا دلچسپی سکتی تھی۔ اس کو تو روزانہ ۲ تولہ افیم اور سیر بھر مٹھاس چاہیئے تھی۔ وہ بچارا راضی ہو گیا۔ لیکن اپنے بیٹے کو بادشاہ بنانے کی سفارش کی۔ یہ سفارش اس لئے مسترد ہو گئی کہ ولیعہد اپنی بیماری کی وجہ سے یہ بارِ عظیم اُٹھانے کے ناقابل تھا۔ اس کے بعد رعایا کی نظر زار کے بھائی گرانڈ ڈیوک نکولاس پر پڑی۔ لیکن اُس نے یہ شرط پیش کی کہ میں بادشاہ اس وقت بنوں گا۔ جب ساری رعایا مجھے بادشاہ بنائے۔ بھلا اس گڑبڑ میں ووٹ لئے جانے کا کیا موقعہ تھا۔ لوگوں نے سوچا کہ یہ بادشاہ نہیں بنتا تو چلو کیا ہرج ہے۔ ہم جمہوری سلطنت ہی کیوں نہ قائم کر دیں۔

"تو کو نہ مو کو۔ لے چولھے میں جھونکو" کی صورت پیش آئی۔ شخصی حکومت کا خاتمہ اور جمہوری سلطنت کا آغاز ہوا۔ اور لینن نے پریسیڈنٹ بنکر زمام حکومت ہاتھ میں لی۔ سلطنت سے دستبرداری کے بعد زار کو زارسکو سیلو کے محل میں نظر بند کر دیا گیا۔ لیکن اس کے آرام و آسائش میں ذرا فرق نہیں آیا۔ کھانا پینا تو درکنار انکی افیم روزانہ ان کو پہنچ جاتی۔ یہ اتنے ٹھاٹ سے بیٹھتے اور مزے کرتے گویا تخت سے دستبرداری ان کے حق میں اور راحت کا باعث ہو گئی۔ اگست میں اس سارے خاندان کو سائبریا کے شہر ٹوبالسک میں منتقل کر دیا گیا۔ گورنر جنرل کا محل ان کے ٹھہرنے کو ملا۔ اور وہاں بھی ان کی عظمت و شان کا پورا احترام کیا گیا۔ چنانچہ روانگی کے وقت ان کے محافظ کرنیل کوبلے لنسکی (Col. KOBYLINSKY) کو ہدایت کی گئی کہ جہاں تک ممکن ہو کوئی ایسی بات نہ کی جائے جو زار یا اس کے کسی ساتھی کی دلشکنی کا باعث ہو۔ اس جلاوطنی میں سات باورچی ایک ساقی۔ ایک تیمردار ایک ایڈیکانگ۔ ایک ڈاکٹر۔ دو بہرے۔ ایک ولیعہد کا استاد۔ ملکہ کی خواصیں اور خدمتگار غرض اس طرح مل ملا کر ۴۲ آدمی ان کے ساتھ تھے۔ تھوڑے دنوں تک ٹوبالسک میں نہایت آرام سے ان کی گزرتی رہی۔ ان کو شہر میں جانے اور شہر والوں کو ان کے پاس آنیکی اجازت تھی۔ زار کی ڈاک بلا کھولے پوری کی پوری اس کو پہونچ جاتی تھی۔ لوگ سوغاتیں اور نذرانے لاتے اور یہ نہایت بیفکری سے اپنی زندگی گزارتے۔ لیکن آخر کہاں تک۔ مثل مشہور ہے۔ "اتراشتہ مرد کی نام"۔ تھوڑے ہی دنوں بعد ان کی قسمت پھر چکر میں آئی۔ پین کراٹوو (PANKRATOV) اس خاندان کا محافظ اعلےٰ مقرر ہوا۔ یہ وہ شخص تھا جو زار کے حکم سے ۲۷ سال سائبریا میں اور ۱۵ سال شلوسل برگ کے خوفناک قید خانہ میں اپنی عمر گذار چکا تھا۔ اُس نے آتے ہی بدلے لینے شروع کئے۔ سب سے پہلے یہ کیا کہ جو جیب خرچ زار کو دیا جاتا تھا وہ بالکل بند کر دیا۔ اس کے بعد نوکروں پر سختی شروع کی۔ آخر یہ ہوا کہ ایک ایک کر کے سارے نوکر نکل گئے۔ اور یہ نوبت پہنچ گئی کہ گھر کا کام خود زارینہ اور اس کی لڑکیوں کو کرنا پڑا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ مشرقی روس میں کمیونسٹ پارٹی کا زور تھا۔ مگر یہ لوگ ادھر ادھر کی بغاوتوں کی وجہ سے خود اپنی مصیبت میں گرفتار تھے۔ جب بغاوتوں کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو انھوں نے زار کی طرف نظر ڈالی۔ کمیونسٹ پارٹی کا مستقر اس زمانہ میں ایکٹرنگ برگ (EKATERING BURG) تھا۔ یہاں کی مجلس اعلےٰ نے یہ تصفیہ کیا کہ زار کو ہماری نگرانی میں رہنا چاہئیے۔ کیونکہ جس طرح اب اس کو رکھا گیا ہے اُس سے اندیشہ ہے کہ کسی وقت وہ بھاگ جائے گا۔ یہ فیصلہ کر کے انھوں نے ماسکو کی پارلیمنٹ (ZIK) سے خط و کتابت شروع کی۔ لیکن لینن ان لوگوں کی جابرانہ طبیعت سے واقف تھا اس نے زار کو حوالہ کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ جب اس طرح کام نہ چلا تو انھوں نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ یعنی ٹوبالسک میں اپنے جاسوس روانہ کئے۔ اور انکی جھوٹی سچی رپورٹوں کی بنا پر سارے ملک میں ایک قیامت برپا کر دی۔ ٹوبالسک سے ایکٹرنگ برگ صرف ۱۵۰ میل تھا۔ لینن کو خیال ہوا کہ کہیں ایسا نہ

ہو کہ یہ لوگ زبردستی زار کو نکال لیجائیں۔ اس لئے اس نے حکم دیا کہ خاندان شاہی کو بحفاظت تمام فوراً اوتا بھیج دیا جائے "یاکولیو" اس کام پر مقرر ہوا۔ اُس نے آتے ہی پہروں کا انتظام مضبوط کیا۔ روانگی کے لئے اسپیشل ٹرین کا بندوبست کیا۔ اور زار کو اطلاع دی کہ اسی وقت روانگی کے لئے تیار ہو جاؤ۔ بھلا ایک افیمی پر ایسی باتوں کا کیا اثر ہوتا وہ تو کچھ نہ بولا۔ ہاں زارینہ بڑے فیل لائی۔ قسمت پر اس کو بھروسہ نہ تھا۔ زبان پر اس کو قابو نہ تھا۔ جو منھ میں آیا وہ کہا۔ اور ایسی گڑبڑ مچائی کہ باہر والوں کو بھی اطلاع ہو گئی۔ کہ یہ لوگ کہیں دوسری جگہ بھیجے جا رہے ہیں۔ یہاں مخالفوں کے جاسوس تو لگے ہوئے ہی تھے۔ اُنھوں نے فوراً اپنے لوگوں کو اطلاع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ادھر یہ خاندان روانگی پر تیار رہوا اور ادھر ان کے مخالفین نے ان کو محافظوں سے چھین لینے کا بندوبست کر لیا۔

خدا کا کرنا کیا ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں زار کا لڑکا بیمار ہو گیا۔ اور بیمار بھی ایسا ہوا کہ اس کا بستر سے ہلانا جلانا گویا اسکو مار ڈالنا تھا۔ "یاکولیو" کا تقاضا تھا کہ چلو اور ابھی چلو۔ سب نے آنسو بہائے۔ ہاتھ جوڑے۔ خوشامدیں کیں۔ مگر اس پر رتی برابر اثر نہیں ہوا۔ وہ جانتا تھا کہ موسم خراب ہونیوالا ہے۔ اور اگر ذرا بھی تعویق ہوئی تو پھر سفر کرنا دشوار ہی نہیں ناممکن ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ڈر لگا ہوا تھا کہ کچھ دنوں اور اگر یہاں رہے تو کہیں زار کو مخالفین چھین نہ لیجائیں۔ آخر یہ قرار پایا کہ زار اور اُس کے خاندان کے کچھ لوگ اب چلیں اور باقی اس لڑکے کی تیمارداری کے لئے ٹھر جائیں۔

ان تیاریوں کی اطلاع ایکٹرنگ برگ کے جاسوسوں کو بھی ہو گئی۔ اُنھوں نے ادھر ادھر سے کچھ مزدورں کو جمع کرکے یہ کوشش کی کہ زار کو اس کے محافظین کے ہاتھوں سے نکال لیویں۔ لیکن شوبالسک کے کاشتکاروں کو یہ منظور نہ تھا کہ زار ایسے ظالموں کے قبضہ میں جائے۔ اُنھوں نے ان مزدوروں کا مقابلہ کرکے انکی جمعیت کو پریشان کر دیا۔ اب مشکل یہ آئی کہ شوبالسک سے ریل کا اسٹیشن ۶۰ میل ہے۔ روانگی کے وقت تک زارینہ اس تذبذب میں رہی کہ زار کے ساتھ جائے یا لڑکے کی تیمارداری کے لئے ٹھرے۔ عین وقت پر آخر یہ قرار پایا کہ وہ خود اپنی ایک لڑکی میری کو لیکر زار کے ساتھ جائے اور باقی تین لڑکیوں کو شوبالسک ہی میں چھوڑ جائے۔ یہ لوگ چھکڑوں میں بیٹھ کر ریلوے اسٹیشن کی جانب روانہ ہوئے۔ اب شاہی ہمراہیوں میں چند ہی آدمی رہ گئے تھے۔ یعنی ڈاکٹر بوٹکن۔ ایک بہادر (چیوڈراد) ایک (سڈلو) ملازم خانگی۔ اور اینا ڈیمن ڈوا ملکہ کی خواص۔ بڑی مشکل سے اجازت لیکر ایک بڑے میاں بھی اس جماعت کے ساتھ ہو گئے۔ ان کا نام پرنس ڈول گو روکو تھا۔ اور یہ کسی زمانہ میں زار کے ایڈیکانگ تھے۔ اینا نے عجیب طبیعت پائی تھی۔ بس یہ سمجھ لو کہ جس طرح کوئی شخص ادنےٰ درجہ سے بڑھ کر اعلےٰ درجہ میں پہونچ جاتا ہے اور اس ترقی سے اسکا دماغ خراب ہو جاتا ہے۔ بعینہ یہی حالت اینا کی تھی۔ وہ کبھی غریب تھی۔ لیکن زارینہ کی خواص ہو کر وہ اب کسی کو خاطر میں نہیں لاتی تھی۔ کوئی بتیس برس کی موٹی اور بھنگم عورت تھی۔ مگر بنی ٹھنی ایسی رہتی تھی کہ کوئی جوان عورت بھی کیا

رہے گی۔ تمام عمر تنگ دست رہی۔ لیکن اب اسکی یہ حالت تھی کہ لباس ۔ چال ڈھال اور اینٹھن میں وہ کسی طرح زارینہ سے کم نہ تھی۔ اس کی ان حرکتوں سے لوگ سمجھنے لگے کہ یہ بھی خاندان شاہی میں سے ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ "ایں ہمہ بچہ شتر است" کے دھوکے میں دشمنوں نے سب کے ساتھ اس کو مار کر ٹھکانے لگا دیا۔

بہر حال یہ قافلہ چھکڑوں کے جھٹکے سہتا۔ راستہ کی مصیبتیں اٹھاتا۔ تومان پہنچ ہی گیا۔ یہاں اسپیشل ٹرین تیار کھڑی تھی۔ یاکولیو نے جاتے ہی اسٹیشن پر قبضہ کیا۔ اور زار میں ماسکو کو تار دیا کہ اب کیا کیا جائے وہاں سے اطلاع ملی کہ "ایکٹرنگ برگ" جانا ٹھیک نہیں ہے۔ وہاں سب لوگ تلے بیٹھے ہیں کہ زار کو چھین لیں۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ ذرا چکر سے اوماسک ہوتے ہوئے اوفا جاؤ۔" یہ حکم پا کر یاکولیو نے سب لوگوں کو ریل پر سوار کیا۔ اور اوماسک کا راستہ لیا۔ جاسوس تو ان لوگوں کے پیچھے لگے ہی ہوئے تھے۔ جب اُنھوں نے دیکھا کہ یہ ریل اوماسک کی طرف جارہی ہے تو اُنھوں نے فوراً ہی اپنے اوماسک کے ساتھیوں کو تار کھٹکھٹائے کہ "زار تمہاری طرف سے اوفا جارہا ہے۔" یہ سننا تھا کہ ان لوگوں نے یاکولیو کو تار دیا کہ "اگر اپنی خیر چاہتے ہو تو ادھر نہ آنا۔" بچارا یاکولیو پریشان تھا کہ آخر کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ اس نے پھر ماسکو کو واقعہ کی اطلاع دی۔ وہاں سے ہدایت ہوئی کہ "ایسی صورت میں ایکٹرنگ برگ ہی کا راستہ اختیار کیا جائے۔" آخر پھر اسی راستہ کو دہرانا پڑا۔ شام کا وقت تھا کہ ریل ایکٹرنگ برگ پہنچی۔ اسٹیشن پر یہاں والے پہلے سے مسلح ہو کر تیار کھڑے تھے۔ ایک نے انجن پر چڑھ کر ڈرائیور کو نیچے ڈھکیل دیا۔ اور ریل کو اسٹیشن نمبر ۲ پر لیجا کھڑا کیا۔ یاکولیو بھی پہلے سے ان مصیبتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا۔ اس نے زار کے درجہ کے سامنے اپنے سپاہیوں کا دستہ کھڑا کر دیا۔ اور مرنے مارنے پر تیار ہو گیا۔ ایکٹرنگ برگ کی کونسل کے پریسیڈنٹ بلیڈوردنے یاکولیو سے آکر کہا کہ "تمہاری خیر اسی میں ہے کہ خاندان شاہی کو ہمارے حوالہ کردو۔" یاکولیو نے صاف انکار کیا۔ ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ لوگوں نے ہجوم کر کے سپاہیوں کو تتر بتر کردیا۔ اور زار کی گاڑی پر قبضہ کرلیا۔

دو موٹریں پہلے سے ان لوگوں کے لیجانے کے لئے تیار کھڑی تھیں۔ ان دونوں میں زار اور اُس کے ساتھیوں کو اوپر تلے بھرا گیا۔ گاڑیاں چلیں۔ اور گویا اس طرح زار کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا۔ ان لوگوں کو لیجا کر وہاں کے ایک امیر سوداگر ایپاٹو کے دو منزلہ مکان میں ٹھرایا گیا۔ پانچ کمرے ان کے رہنے کو دئے گئے اور لبقیہ سب میں نگرانی کے لئے آدمی ٹھرا دیئے گئے۔ جو کمرے ان بچاروں کو ملے تھے۔ ان کی بھی یہ حالت تھی۔ کہ کونہ کونہ میں نگہبان کھڑے تھے۔ اور کوئی جگہ ایسی نہ تھی۔ جہاں دلجمعی سے بیٹھکر یہ ایک دوسرے سے اپنا دلی راز کہہ سکیں یا کم سے کم آنسو بہا کر دل کی بھڑاس نکال سکیں۔ اس مکان کے سامنے جو عمارت تھی اس پر مشین گن لگادی گئی کہ ذرا کوئی بھاگنے کا ارادہ کرے اور توپ سے اڑادیا جائے۔ زار کے رہنے کے لئے جو کمرے دئے گئے تھے ان کی سب کھڑکیاں بند کر کے

کرکے بتا دیا گیا تھا کہ اگر کسی نے ذرا کھول کر جھانکا تو باہر سے فوراً گولی پڑے گی۔

پرنس ڈول گورو کو جیلخانہ پہنچا دیا گیا اور وہیں چند روز میں اس کا خاتمہ ہوگیا۔ یاکولیو نے کونسل میں جاکر اس بیجا سلوک کی شکایت کی۔ لیکن کوئی شنوائی ہونیکے بجائے اس کے ساتھیوں کے ہتھیار چھین کر ان کو جیل خانہ میں ڈال دیا گیا اور خود اس کو حکم ملا کہ فوراً یہاں سے نکل جاؤ۔ ورنہ تمہاری بھی بُری طرح خبر لیجائیگی ماسکو میں جب یہ خبر پہنچی تو وہاں بھی چپ سادھ لی گئی۔ اور اس طرح اکیٹرنگ برگ والے اور شیر ہوگئے۔

جو لوگ ان کی نگرانی پر مقرر ہوئے تھے۔ وہ سب کے سب ایسے تھے کہ زار اور اسکی گورنمنٹ کے ہاتھوں مصیبتیں اُٹھا چکے تھے۔ کوئی برسوں تک جیل خانوں کی سیر دیکھ چکا تھا اور کوئی سائبریا کی آفتوں کا مزا اُٹھا چکا تھا۔ ان سب کا افسر یوول آف ڈیو تھا۔ یہ اول تو خود ہی اجڈ تھا اور اس پر شراب نوشی نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا تھا۔ کبھی تو ایسا غریب بن جاتا تھا کہ ہاتھ جوڑ کر باتیں کرتا۔ اور کبھی ایسا ہوجاتا کہ شیطان بھی اس سے پناہ مانگتا ایک دن بیٹھے بیٹھے کہنے لگا کہ میں تو تم سب کی تلاشی لونگا۔ زار تو کچھ نہ بولا۔ مگر زارینہ نے قیامت بپا کردی۔ لیکن اس بدمعاش پر نہ گالیوں نے اثر کیا اور نہ خوشامدوں نے۔ زار کو بھی ان باتوں سے ذرا غصہ آگیا اور اس نے کہا "اب تک تم لوگوں نے شریفوں کا سا برتاؤ کیا۔ مگر اب کچھ رنگ بدل رہا ہے۔ تم سے تو پہلے ہی والے اچھے تھے۔ آفریں پر نائش اول...... ابھی زار کی بات ختم نہ ہوئی تھی کہ آبدیو نے بگڑ کر کہا "بس چپ رہ" کیا اب بھی تو سمجھتا ہے کہ زار سیلو کے محل میں بیٹھا ہے۔ اگر اب کی زبان ہلائی تو اس طرح خبر لوں گا کہ تمام عمر یاد کرے گا۔ غرض تلاشی شروع ہوئی اور زار کے خاندان کی ایسی بیعزتی کی گئی کہ سننے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ ان بیچاروں کے پاس رکھا ہی کیا تھا جو تلاشی میں برآمد ہوتا۔ شاہزادی میری کے پاس چند روبل نکلے۔ جن کی قیمت کوئی بارہ تیرہ روپئے ہوگی۔ یہ بھی ضبط کرلئے گئے اس واقعہ کو شاہزادی میری نے اپنی بہن کو اسطرح لکھا ہے۔

"آج ہمیں ایسی قلبی تکلیف ہوئی کہ بیان نہیں ہوسکتی۔ دیکھئے ابھی قسمت میں کیا کچھ لکھا ہے۔ چودہ مہینے قید رکھنے کے بعد اسطرح کا سلوک گویا زخموں پر نمک چھڑکنا تھا۔ اماں اور ابا کے پاس تو کچھ نہیں نکلا۔ ہاں ٹوبالسک میں مجھے ایک بیچارے نے جو ۷ روبل اور ۵۰ کوپک دئے تھے۔ وہ بھی ان لوگوں نے چھین لئے۔

کل سے ہمارے محافظوں میں ایک دستہ کا اور اضافہ کر دیا گیا ہے۔ کل بڑی سردی تھی۔ بڑی مشکل سے تھوڑی بہت لکڑیاں مانگ کر آتشدان میں آگ جلائی۔ میں کیا کہوں کہ اسوقت مجھے ٹوبالسک والا مکان اور وہاں والوں کی مہمان نوازی کتنی یاد آئی۔ جب آنے لگو تو میرے لئے پاوڈر ضرور لیتی آنا۔ یہاں بھلا پاوڈر کہاں مل سکتا ہے۔ انیا بیچاری ہمارے کپڑے دہوتی ہے۔ اور اچھی خاصی دہوبن ہوگئی ہے۔ شاید یہ خط روانگی کے دن تم کو ملے خدا کرے کہ تمہارا سفر آرام سے گزرے اور خداوند تعالےٰ تم کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ امید ہے کہ تم سب بخیریت ہوگے۔"

مئی سنہ ۱۹۱۸ء میں زار کا لڑکا اور اُسکی لڑکیاں بھی ٹوبالسک سے آکر ان کے شریک حال ہو گئے۔ لڑکے کے ساتھ اس کی نرس ڈیڈ کا اور اس کا ایک فرانسیسی آتالیق۔ اور انگریزی کا ایک ماسٹر اسٹینلن گبز بھی آئے۔ ان سب میں سے کسی کو بھی باہر والوں سے ملنے کی اجازت نہ تھی۔ البتہ انکے سامنے والے مکان کا ایک لڑکا آکر زار وچ (ولیعہد سلطنت) کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ غرض اسی طرح کچھ دن گذر گئے۔ گرمی شروع ہوئی۔ ہوا بند تھی۔ ایک دن کسی شاہزادی نے ایک کھڑکی کھولی۔ کھڑکی کھولنا تھا کہ باہر سے بندوق چلی اور گولی بچاری کے سر پر سے نکل گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ زار اور اس کے خاندان کو ساری دنیا نے بھلا دیا تھا خیال تھا کہ کوئی نہ کوئی سلطنت زار کی رہائی کا مطالبہ کرے گی۔ لیکن کسی نے کروٹ تک نہ لی۔ شاہ انگلستان نے خط لکھ کر ڈالے مگر ان کے مشیروں نے ان خطوں کو راستہ ہی سے اڑا دیا۔

رفتہ رفتہ ان بیچاروں کی حالت زار قابل رحم ہو گئی۔ سامنے کے ہوٹل سے دونوں وقت کھانا آجاتا۔ اور یہ کسی نہ کسی طرح زہر مار کر کے اپنی زندگی کے دن پورے کرتے۔ ایکٹرنگ برگ کی گرجا سے پادری انکے کھانے کو مکھن اور روٹی بھیجتے۔ مگر وہ راستہ ہی میں فوج والے چٹ کر جاتے۔ کھانا گرم کرنے کو ایک پرانا دہرا تیل کا چولھا ان کو دیا گیا تھا۔ لیکن دنوں تک تیل نہ ملنے کی وجہ سے ان کو جما ہوا سالن اور ٹھنڈا گوشت کھانا پڑتا۔ زار کی یہ حالت تھی کہ گویا ان باتوں کا اس پر کوئی اثر ہی نہیں۔ لوگ اس کا مذاق اڑاتے اور وہ ہنس کر ٹال دیتا۔ وہ باتیں کرنی چاہتا اور اس کے محافظ جواب تک نہ دیتے۔ آخر یہ ہوا کہ اس کا دماغ کچھ خراب ہو گیا۔ چنانچہ اسی وقت کی جو اسکی ایک قلمی تحریر ملی ہے۔ اس سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ وہ لکھتا ہے "یہ سب لوگ خزانہ لوٹ رہے ہیں۔ تمام غیر ملکی ان سب سے آگے ہیں۔ ملک تباہ ہو رہا ہے اور ان لوگوں کو اپنی پڑی ہے۔ امن و آسائش کا ایکدن ضرور دور دورہ ہوگا۔ خانقاہ میں بند رہنا...... اور پھر موت۔ سچوں کی کوئی قدر نہیں۔ مجرموں کا کوئی انجام نہیں۔ کیا سخت زمانہ ہے۔ ہر شخص جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے۔ یہ ہمارے زمانہ کا نقشہ ہے۔ ملک والوں کو باہر والوں نے بگاڑ دیا۔ زار کا تخت متزلزل ہے۔ اور جب یہ گرے گا تو روس کی ساری شوکت و عظمت خاک میں ملجائے گی۔ سامنے کی کھڑکی پر تصویریں نہیں ہیں۔ برف کے ٹکڑے جمع ہوئے ہیں" زار کی تو یہ حالت تھی اور زارینہ کی یہ کیفیت کہ ہر بات پر بگڑتی۔ ہر ایک پر خفا ہوتی۔ کبھی روتی۔ کبھی ہنستی۔ کبھی ناچتی اور کبھی گھنٹوں عبادت میں مشغول رہتی۔ زار وچ کی حالت پھر بگڑی۔ مگر باپ کی موجودگی اس کی تسکین کا باعث تھی۔ زار بھی اسے گھنٹوں گود میں لئے بیٹھا رہتا۔ کبھی اُس کمرے سے اس کمرے میں لاتا۔ اور کبھی اس کمرے سے اس کمرے میں لیجاتا۔ زار[1] کی لڑکیوں پہ یہ قید

[1] زار کی چار لڑکیاں تھیں۔ سب سے بڑی اولگا (۲۲ سالہ) اس سے چھوٹی تتیانا (۲۰) سالہ، اس سے چھوٹی میری (۱۸) سالہ اور سب سے چھوٹی انیستاسیا (۱۶) سالہ۔ زار وچ یعنی ولیعہد سلطنت کی عمر اس زمانہ میں ۱۳ سال کی تھی۔

بہت گراں تھی۔ وہ محافظوں سے باتیں کرنا چاہتیں۔ مگر یہ گنوار ایسے بے تکے جواب دیتے کہ وہ شرمندہ ہو کر رہ جاتیں ان لڑکیوں کے اس طرح آنے اور باتیں کرنے سے ایک خرابی یہ پیدا ہوئی کہ لوگوں میں انکی بے عصمتی کے قصے پھیل گئے۔ پہلے آدمی تو ان باتوں پر کیوں یقین کرتے۔ ہاں جن لوگوں کو زار اور اس کے خاندان سے نفرت تھی۔ اُنھوں نے بات کا بتنگڑ بنا کر ان قصوں کو دنیا میں خوب پھیلایا۔ یہ خبریں سُن کر ایکیٹرنگ برگ کی کونسل والوں کو ڈر ہوا کہ اس طریقہ سے کہیں ان لڑکیوں نے زار کو بھگا دینے کا جال تو نہیں پھیلایا۔ چنانچہ اسی خیال سے انھوں نے آبڈیو کو بدلکر اسکی جگہ جیکیب بردسکی کو مقرر کیا۔ اس نے آکر نگرانی میں پہلے سے زیادہ سختی شروع کی۔ اب خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ جیکیب کی رپورٹیں تھیں یا کوئی اور وجہ کہ کونسل میں زار کے قتل کرنے کا مسئلہ پیش ہو گیا۔ بہت سے ممبر تو اس پر زور دیتے تھے کہ اسکو مار کر قصہ ہی تمام کیا جائے۔ اور بہت سے ایسے تھے کہ وہ ذرا اطمینان ہونے کے بعد اس کارروائی میں ہاتھ ڈالنا چاہتے تھے۔ پہلا گروہ کہتا تھا کہ "زار نے ہزاروں بیگناہوں کے خون سے ہاتھ رنگے ہیں۔ اور جب کبھی ہم اس سے مدد مانگنے گئے اس نے ہمیشہ ہماری بات کا جواب گولیوں سے دیا۔ وہ اس کا زمانہ تھا۔ اب ہمارا زمانہ ہے۔ پھر کیوں ہم بھی وہی راستہ اختیار نہ کریں" دوسرا گروہ کہتا تھا کہ جلدی ہی کیا ہے۔ زار ہمارے قبضہ میں ہے۔ ہم جب چاہیں اس کو ٹھکانے لگا سکتے ہیں۔ ابھی سلطنت کی چولیں پوری طرح نہیں بیٹھی ہیں۔ ممکن ہے کہ اس کے مارنے سے سارا یورپ ہم پر پل پڑے۔ پہلے اپنے گھر کا انتظام کر لو۔ اس کے بعد زار کا ختم کر دینا کیا بڑا کام ہے۔ جب یہاں کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو اس معاملہ کو ماسکو کی سنٹرل کمیٹی میں پیش کیا گیا۔ کمیٹی کے پریسیڈنٹ سورڈلو کی یہ رائے تھی کہ زار کو مار ہی ڈالنا اچھا ہے۔ لینن اور ٹراسکی کا یہ کہنا تھا کہ اس کو عدالت میں پیش کر کے فیصلہ کرایا جائے۔ لینن سمجھتا تھا کہ زار سلطنت کی ایک بڑی یرغمال ہے۔ اور ٹراسکی جانتا تھا کہ اگر زار کو ملزم کی حیثیت سے عدالت میں پیش کر کے اس کی زیادتیوں کو ثابت کر دیا گیا تو دنیا اس کے قتل کو بھی جرم نہ سمجھے گی۔ کمیٹی کے اکثر ممبر ایسے تھے کہ وہ گورنمنٹ کے معمولی معاملات کو بھی زار کی قسمت کے فیصلہ سے زیادہ اہم سمجھتے تھے۔ ان سب متضاد آرا کا یہ نتیجہ ہوا کہ کمیٹی کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکی۔

جب ایکیٹرنگ برگ والوں نے دیکھا کہ ماسکو سے کوئی موافق یا مخالف حکم ہی نہیں آتا۔ تو انھوں نے معاملہ کو پھر خود اپنے ہاتھ میں لیا۔ ماسکو کی خاموشی کی وجہ سے ان لوگوں نے جو اس قتل کے مخالف تھے اپنی رائے بدل دی۔ اور آخر کونسل نے یہ تصفیہ کر دیا کہ "نکولاس دوم سابق زار روس کو معہ اُسکے تمام خاندان کے قتل کر دیا جائے"۔ یہ کام کونسل کے پریسیڈنٹ کے سپرد ہوا اور اس نے اس قتل کی تیاریاں کرنے کے لئے پیٹر زہاردچ کو مقرر کیا۔ اس نے بہ خوشی اس خدمت کو قبول کیا۔ تین پیپوں میں گندھک کا تیزاب۔ اور مٹی کے تیل کے بہت سے ٹین مقتل میں لائے گئے۔ تاکہ نعشوں کو جلا کر ساری راکھ کو گندھک کے

تیزاب میں حل کر دیا جائے۔

جون کی آخری تاریخوں میں زار کو قتل کرنے کا تصفیہ ہوا۔ اور شروع جولائی میں قتل کی ساری تیاریاں ہو گئیں۔ جلدی کرنے کا یہ باعث ہوا کہ ایک طرف تو روسی فوج کے کاسکوں نے بغاوت برپا کر دی تھی اور دوسری طرف زیکوسلاویکیا کی فوجیں اس طرف بڑھ رہی تھیں۔ جو لڑکا زار کے بیٹے کے ساتھ کھیلنے آیا کرتا تھا۔ اس کا ۱۵ر جولائی سے وہاں آنا موقوف ہوا۔ ۱۶ر جولائی کو آدھی رات کے وقت برو سکی ان شاہی قیدیوں کے پاس آیا۔ اور کہا کہ تمہیں دوسری جگہ منتقل کیا جا رہا ہے۔ فوراً تیار ہو جاؤ۔ اور اپنے نوکروں کو بھی تیاری کے لئے کہدو۔ ایک گھنٹہ کے بعد یہ لوگ نیچے کی منزل میں آئے۔ آگے آگے خود زار تھا۔ اور اسکی گود میں زار وچ تھا۔ زار کے جسم پر اس وقت ایک پھٹی پرانی فوجی وردی اور پھٹے ہوئے جوتے تھے۔ اور چہرہ پر اداسی برس رہی تھی۔ اس کے پیچھے زارینہ اور اسکی لڑکیاں اور آخر میں ڈاکٹر بوٹکن اور اینا۔ اینا اپنے ہاتھ میں زارینہ کے لئے ایک تکیہ اور پہننے کے کچھ کپڑے لئے ہوئے تھی۔ باہر ایک پرانی موٹر کار کھڑی تھی۔ اور اس کا انجن برابر چل رہا تھا۔ یہ اسلئے تھا کہ مقتولوں کی چیخیں اور بندوقوں کی آوازیں باہر نہ جانے پائیں۔ نیچے کی منزل سے ایک زمین دوز راستہ باہر جاتا ہے۔ جب یہ لوگ یہاں پہونچے تو ان کو حکم دیا گیا کہ سب کے سب دیوار سے کمر لگا کر کھڑے ہو جاؤ۔ اُنھوں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ زار نے زاروچ کو ایک ٹوٹی سی کرسی پر بٹھا دیا اور آپ زارینہ کے برابر جا کھڑا ہوا۔ اتنی دیر میں برو سکی اور اس کے چار ساتھی ہاتھوں میں ریوالور لئے اندر آئے۔ ان کے پیچھے پیچھے مسلح سپاہیوں کا ایک دستہ تھا۔ برو سکی نے ان لوگوں کے سامنے اپنے سپاہیوں کا پرا جمایا۔ خود آگے بڑھا۔ اور کہا "اے زار کے خاندان والوں اور ساتھیوں ہماری کونسل نے فیصلہ کیا ہے کہ تم سب کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اب تمہارے بچنے کی کوئی امید نہیں ہے۔ اس لئے مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔" زارینہ اور اُسکی لڑکیوں نے یہ سُن کر دعا مانگنے کے لئے گھٹنے ٹیک دئے۔ زار نے صرف اتنا کہا کہ "ہم تمہیں اور جا رہے تھے"۔ ابھی یہ الفاظ اس کے منھ سے پورے نکلے بھی نہ تھے کہ چار ریوالور ایک دم چلے اور وہ وہیں گر کر ٹھنڈا ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی بندوقوں کی باڑھ پڑی اور سوائے اینا کے زار کا سارا خاندان اور اسکے ساتھی گر گر کر ختم ہو گئے۔ اینا یہ رنگ دیکھکر ایک طرف کو ہٹ گئی اور بچاؤ کے لئے اسنے اپنے سامنے تکیہ کر لیا۔ بھلا گولیوں کی مار سے تکیہ اس کو کیا بچا سکتا تھا۔ ایک گولی اور چلی۔ یہ گری اور ابھی پوری طرح اس کا دم بھی نہیں نکلا تھا کہ سپاہیوں نے بندوقوں کے کندے مار مار اس کا بھیجا نکال دیا۔ زارینہ کی چھوٹی لڑکی انیٹا سپاہنے گر کر دم سادھ لیا تھا۔ مگر سپاہیوں نے ٹھوکریں مار کر اس کا بھی خاتمہ کر دیا۔ ابھی یہ سب پڑے سسک رہے تھے کہ سپاہیوں نے ٹھوکریں مار کر ان کے لباس پھاڑ ڈالے کیونکہ ان کو خیال تھا کہ یہ سب لوگ جواہرات

چھپائے ہوئے ہیں۔ مگر کہا جاتا ہے کہ ڈھونڈنے پر خاک بھی کسی کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔

یہ کام ختم کرکے اُنھوں نے لاشوں کو گھسیٹ کر باہر نکالا۔ اور جو موٹر باہر کھڑی تھی اس میں اوپر تلے بھر کر جنگل کی طرف روانہ کر دیا۔ یہاں پہلے سے پہرے لگا دیے گئے تھے کہ تماشائی جمع نہ ہو جائیں تمام نعشوں کو ایک جگہ ڈال۔ اوپر سے مٹی کا تیل چھڑک آگ لگا دی گئی۔ جلنے سے جو کچھ بچ رہ گیا اس کو گندھک کے تیزاب میں ڈال کر اس خاندان شاہی کے ذرات فنا کر دیے گئے جب اس سے فراغت ہوئی تو بچی بچائی راکھ اور تیزاب ایک گڑھے میں ڈال مٹی برابر کر دی۔

سمجھیے وہ شخص جس کے نام کا کبھی تمام دنیا میں ڈنکہ بجتا تھا۔ جسکی ایک "ہوں" پر ہزاروں سر کٹوانے کو تیار ہو جاتے تھے اور جسکی آنکھ کا ایک اشارہ غریب کو امیر اور امیر کو فقیر بنا دیتا تھا۔ وہ اس طرح دنیا سے گیا کہ نہ اسکا کوئی رونیوالا ہے اور نہ اسکی قبر کا کوئی نام و نشان۔ یہانتک کہ نہ اب اسکی کوئی زندہ یادگار ہے اور نہ کوئی نام لیوا۔

چندہی روز کے بعد زار کو سلار یکا کی فوج ایکٹرنگ برگ کی سرحد میں داخل ہو گئی۔ یہاں والوں نے مقابلہ کیا۔ مگر بری طرح شکست اُٹھائی۔ فوج والوں نے اس خاندان کے لوگوں کی تلاش کی۔ مگر وہاں سوائے خون کی دھبوں اور گولیوں کے نشانوں کے اور کیا رکھا تھا کسی نے سچ کہا ہے۔ ہمیشہ رہے نام اللہ کا۔

**مرزا فرحت اللہ بیگ**

---


# فراست الید

مولفہ نیاز فتحپوری جس کے مطالعہ سے ایک شخص بآسانی ہاتھ کی شناخت اور اسکی لکیروں کو دیکھکر اپنے یا دوسرے شخص کی مستقبل سیرت، عروج و زوال، موت و حیات صحت و بیماری، شہرت و نیکنامی وغیرہ کی متعلق صحیح طور سے پیشگوئی کر سکتا ہی۔ قیمت علاوہ محصول (عہ) منیجر نگار لکھنؤ

---

# صحابیات

جس میں عہد سعادت کی ۵۰ خواتین کے مستند حالات یکجا کر دیے گئے ہیں۔ اس کا مقدمہ مولانا نیاز نے خاص اپنی انشاء میں اس قدر جوش و قوت کے ساتھ لکھا ہے کہ مسئلہ نسائیات کے بہت سے نکات اس سے حل ہو جاتے ہیں۔ قیمت علاوہ محصول (ع۱۲)

منیجر "نگار"، لکھنؤ

# سید سلیمان ندوی سے

## آشفتہ گشت طرۂ دستار مولوی؟

علامہ سید سلیمان ندوی میرے نادیدہ مگر دیرینہ مکرم ہیں۔ دیرینہ میں اسلئے کہتا ہوں کہ میں انکو اسوقت سے جانتا ہوں کہ جب میں پہلی بار ان کے تصانیف سے ذوق آشنا ہوا۔ اور یہ واقعہ میرے زمانۂ طالب علمی کا ہے جسکو تقریباً سات آٹھ برس ہو گئے۔ لہٰذا سب سے پہلے میں اپنے اور نگار کی طرف سے اس احسان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جو علامہ موصوف نے بے منت و بے طلب حقیقتاً جولائی و اگست ۱۹۳۰ء کے نگار کے ذریعہ سے ایک کو اپنا گرانمایہ مقالات کا حامل اور دوسرے کو اپنے ارشادات و ربار کی مخاطبت سے سرفراز کر کے ارزانی فرمایا۔

مولانا کے اس برق صاعقہ کو میں نے "دفعتاً" صرف قارئین نگار کی نظر سے کہا ہے۔ ورنہ جہاں تک خاکسار کا تعلق ہے۔ میں عرصہ سے دھڑکتے ہوئے دل سے اسکے لئے تیار بلکہ منتظر بیٹھا تھا کیونکہ "سروش اعظم" نے میرے کان میں اس کیفیت کا اظہار پہلے ہی کر دیا تھا جسکے زیر اثر مولانا کا قلم چل رہا تھا۔ راوی کا بیان ہے کہ قلم میں وہ حدت پیدا ہو گئی تھی کہ جواب کئی بار لکھا گیا۔ اور پھاڑا گیا۔ آخر کار قلم کے مزاج میں برودت اور قلم پکڑنے والے کے قلب میں رافت کی کیفیت پیدا ہوئی۔ اور مضمون جو نگار میں بھیجا گیا وہ اپنی اصلی تپش سے ستر ہزار درجہ کم تھا۔ اس پر بھی کہیں کہیں اسکی آنچ ظاہر ہو گئی۔ آپ نے غور کیا کہ یہ کیوں؟ کیا وہ کسی غیر معمولی مذہبی جوش و للہیت کا نتیجہ تھی؟ نہیں۔ بلکہ صرف اس حقیقت کا کہ میرے مضمون کے بعض کانٹے علامہ کے ذاتی قبائے علم کے دامن میں اُلجھ گئے تھے۔ اور اسکی خلش سے وہ چیں بہ جبیں۔ بلکہ مضطر و بے قرار تھے۔

بہرحال سردست مجھے مولانا کا قرض حسنہ ادا کرنا ہے۔ رہ گیا اصل مدعا اور بحث۔ سو نہ مولانا نے اسکی طرف توجہ کی اور نہ مجھے اس پر مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے۔ میں اس کو وہیں چھوڑتا ہوں۔

مولانائے موصوف نے تمہید میں لکھا ہے کہ :-

"رسالۂ نگار میں ایک سال سے فلسفۂ مذہب کے عنوان سے ڈپٹی سید مقبول احمد صاحب کے متعدد مضامین شائع ہوئے

جس میں خودساختہ اصول اور ذاتی اجتہادات کے ساتھ مفسرین۔ محدثین۔ فقہا۔ علمائے امت اور عام مولویوں پر اس بیباکی سے الزام قائم کئے گئے اور انکی تحقیر و توہین کی گئی کہ بہتوں کے دل مجروح ہوگئے" وغیرہ

معلوم نہیں کہ یہ تمہید محض مولویانہ ذہنیت کا نتیجہ ہے جس سے کوئی مولوی خالی نہیں ہو سکتا۔ یا وہ اپنے لئے ایک حصار کھینچ رہے ہیں کہ اس کے اندر ان کو محفوظ جگہ ملجائیگی۔ یا وہ ایک حقیقت ہے جسکا علم صرف علامہ کو ہے یا ان کے دائرۃ المعارف کو۔ اگر آخری صورت ہو تو کیا وہ اس کے ثبوت میں میری کتاب سے وہی تین سطر نقل کر کے اپنے اس مغالطہ اور مکابرہ کی کسی مجلس علم سے داد لے سکتے ہیں۔ فلسفۂ مذہب کی اشاعت کافی سے زیادہ ہو چکی ہے۔ اور اسکے پڑھنے والے صرف مولانا ہی نہیں بلکہ بہت سے مجروح دل ہوں گے۔ لیکن میں مولانا کو معذور سمجھ کر اس زمانہ حربہ سے۔ اپنے کو بچاتے ہوئے قرآن کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھوں گا۔

به جرم عشق توام می کشند وغوغائے ست    تو نیز بر سر بام آ که خوش تماشائے ست

البتہ فلسفۂ مذہب نے قرآن کے ساتھ وہ سلوک روا نہیں رکھا ہے جو آپ کے رہبر کامل شیخ و استاد مکرم نے اپنی کتاب تاریخ علم کلام میں۔ کہ ملاحدہ کے باطل (اور غالباً خود ساختہ) قرآن پر اعتراضات کو لکھ کر اس کے جواب سے قصداً اگریز کیا۔ اور مسلمانوں کو حیرت و اضطراب کے سمندر میں غوطے مارنے کے لئے چھوڑ دیا۔ ملاحظہ ہو فرماتے ہیں کہ:

"قرآن مجید پر ان کے جو اعتراضات ہیں۔ امام رازی تفسیر کبیر میں جا بجا ان کے نام سے نقل کرتے ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں حضرت سلیمان و ہدہد و بلقیس کا جو واقعہ مذکور ہے اسکی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ملاحدہ نے اس پر متعدد اعتراض کئے ہیں (۱) ہدہد اور چیونٹی کیونکر عاقلانہ باتیں کر سکتی ہیں (۲) حضرت سلیمان شام میں تھے وہاں سے ہدہد دم بھر میں کیونکر یمن پہونچا اور پھر واپس آگیا (۳) حضرت سلیمان کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ تمام دنیا کے بلکہ جنات کے بھی بادشاہ تھے۔ باوجود اس کے ان کو بلقیس جیسے حکمران کا نام و نشان تک معلوم نہ تھا (۴) ہدہد کو یہ کیونکر معلوم ہوا کہ آفتاب کو سجدہ کرنا ناجائز ہے اور موجب کفر ہے" (علم کلام صفحہ ۱۰۸-۱۱۱۔ یہ صرف ایک جگہ سے کچھ حصہ منتقل کر دیا ہے۔)

مگر علامہ مرحوم کے جانشین کو اتنی توفیق نہ ہوئی کہ علامہ کی اس فروگذاشت کو پورا ہی کر دیتے اور اگر رازی کی تاویل نقل نہ کر سکتے تو خود ہی اسکا جواب ہم حامیوں کی راہ ہدایت کے لئے حاشیہ میں دیدیتے۔ آگے چلکر آپ فرماتے ہیں کہ۔

"اگر میرے دلائل کی سخت گرفت سے انکو تکلیف محسوس ہو تو معذرت ہے بااینہمہ عرض ہے کہ تنہا انگریزی دانی ہی علامہ اور فاضل ہونے کے لئے کافی نہیں ورنہ ہر انگریزی ہوٹل کا خانساماں اور ویٹر یقیناً اتنا ہی فضیلت پر ناز کر سکتا ہو جتنا ہندوستان کا بڑے سے بڑا گریجویٹ اور ڈپٹی کلکٹر" معلوم نہیں وہ دلائل کون ہیں اور انکی سخت گرفت کہاں ہے۔ ممکن ہے مولانا کے معیار سے یہ جواب معقول اور ترکی بہ ترکی کہلائے۔ لیکن میرے نزدیک یہ جواب اس جاٹ

کے جواب سے زاید نہیں جس سے مولانا موصوف بھی اچھی طرح آگاہ ہونگے۔

کیا اسی سوقیانہ جواب سے مولانا اپنی فضیلت کو منوانا چاہتے ہیں۔ اور آپ نے ایسا غضب کیوں کیا کہ اپنی انگریزی دانی کا اعتراف کر بیٹھے یہ تو میں جانتا ہوں، کہ آپ ریاضی، سائنس و فلسفہ کے ادق انگریزی مضامین کو خود سمجھ سکتے ہیں اور دوسروں کو بھی سمجھا سکتے ہیں۔ مگر اس پر آپ نے غور نہ کیا کہ آپ کے اس اعتراف کے بعد کیا آپ مولویت سے معزول نہ کر دئے جائیں گے۔ اور آپ کی وہ اصل حقیقت جو عبارت ہے درس نظامی کی چند بوسیدہ و کرم خوردہ دستاویزات سے مجروح نہ ہو جائے گی۔

مگر اللہ اللہ! ارض القرآن کیا لکھ لیا ہے کہ زمین پر قدم ہی نہیں ٹکتے۔ بیشک میرے سرقہ کا اعتراف خاکساری کی راہ سے نہیں بلکہ واقعتاً کیا گیا ہے۔ مگر کیا میں سوال کر سکتا ہوں کہ وہ مال مسروقہ جناب کی حاصل کردہ ملکیت ہے۔ اگر میں اس کا اس قدر مجرم ہوں کہ آپ نے مجھے اصل ماخذ کی تلاش میں وقت ضائع کرنے سے بچایا تو کیا وہ سرقہ ہے۔ پھر رسول اللہ کا یہ قول جو حالی نے نظم کیا ہے۔ کیا معنی رکھتا ہے۔

کہ حکمت کو اک گمشدہ مال سمجھو 	جہاں پاؤ اپنا اسے مال سمجھو

مگر آپ کو غالباً اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ کلٹیہ انڈل مسیحی نے فارسی میں جو کتاب ینابیع القرآن لکھی تھی۔ وہ آپکے ہاتھ لگ گئی اور ترگوم استر میں سے اس اعتراض کو نقل کر دیا جو حضرت سلیمان و ہدہد کے قصے پر کیا گیا ہے۔ اسکا جواب تو کیا آپ دیتے۔ اس کتاب کا حوالہ دئے بغیر آپ نے ارض القرآن میں اسطرح لکھا کہ گویا آپ نے ترگوم استر کو ارامی زبان میں خود ہی پڑھا ہے۔ اور یہ آپکی تحقیق ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ترگوم استر میں ہدہد و سلیمان کا قصہ قرآن سے لیا گیا ہے اور ترگوم استر انیسویں صدی عیسوی کی کتاب ہے۔

مولانا کو میں پھر یاد دلاتا ہوں کہ اگر میری وہ تحریر صداقت سے خالی ہے۔ یعنی معارف میں فلسفہ مذہب کے بعض ٹکڑے اشاعت کے لئے بھیجے گئے تھے اور وہ اس سوال کے بعد واپس کئے گئے تھے جو میں نے واقدی کے متعلق کیا تھا۔ تو قبل اسکے کہ یہ دو خطوط پیش کروں میں لعان کیلئے بھی تیار ہوں اور مباہلہ کیلئے بھی۔

آمدم بر سر مطلب۔

## سناۃ اور سنت

میں نہ عبرانی کا عالم ہوں اور نہ غالباً علامہ۔ لیکن طرفہ تماشا ہے کہ دو آدمی عبرانی سے نابلد عبرانی لفظ کے ماخذ و مصدر پر ایسا گرم مباحثہ کر رہے ہیں گویا دونوں اسکے ماہر ہیں۔ پھر اگر میں کہوں کہ نہیں مولانا اب بھی آپ غلطی پر ہیں تو تیسرا کون شخص ہے جو یہ کہہ سکے کہ ہم دونوں میں سے کسکی غلطی ہے۔ مولانا اس کو فراموش کر جاتے ہیں کہ اگر میں نے سنت کو سناۃ سے ماخذ بنایا ہے تو وہ محض میرا قیاس ہے اور ممکن ہے کہ وہ غلط ہو۔ پھر اس پر یہ معرکہ آرائی کیا معنی۔ مجھے یہ اشتباہ ان وجوہ پر ہوا تھا۔

(۱) توریت کی کتاب ثنی بالیوٹیکس اور مشنا توریت اگر دونوں ہم معنے ہیں تو دونوں ناموں کے اشتباہ سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ وہ کسطرح رفع کیجائیں۔

(۲) سنت یقیناً راستے کے معنی میں عربی میں آیا ہے۔ چنانچہ "سنن ابل" اونٹ کی راہ کو اب بھی عرب میں بولتے ہیں۔ عبرانی میں بھی سنا کے معنی اگر راستے کے نہیں ہیں تو مشنا چلنے کے معنی میں ضرور آیا ہے۔ اور مشنا اگر اس سے نکلا ہے تو کیا بعید ہے۔ جبکہ س اور ش کے تلفظ میں عبرانی نہایت لاپرواہ ہیں۔

(۳) سلیمان کے قصے میں ایک لفظ آیا ہے "مسناۃ" عبرانی لفظ ہے۔ جسکے معنی عصا کے ہیں اور یہ مخصوص اصطلاح ہے۔ اور اسکے معنی عصا کے اسلئے ہیں کہ مسنا راستہ ہے اور مسناۃ اسم آلہ یعنی راستہ کے طے کرنیکا آلہ یعنی عصا کیا عجب کہ مشنا اسی لفظ کا بگاڑا ہوا ہو۔

(۴) سنن اسلام اور مشنا یہود دونوں کا مدعا ایک ہی ہے۔ یعنی فریسیت کا قیام اور اس مماثلت کے بعد دونوں کا ہم مخرج ہونا قرین قیاس ہے۔

مولانا نے بڑے شد و مد سے میری ایک غلطی اور پکڑی ہے۔ یعنی ابو الامداد ابراہیم کے حاشیہ ونجبۃ الفکر سے جو عبارت میں نے نقل کی ہے وہ اسطرح ہے:۔

"جو صحابہ بنی اسرائیل کے واقعات ماخوذ کرنیوالے ہیں۔ وہ حضرت ابوبکر۔ حضرت عمر۔ حضرت عثمان۔ حضرت علیؓ ہیں اور جو اصحاب ان سے لیا کرتے ہیں وہ عبد اللہ بن سلام اور بعض نے کہا عبد اللہ بن عمرو بن العاص ہیں۔ کہ جب شام کا ملک فتح ہوا وغیرہ"۔

کاتب نے "ماخوذ کرنیوالے کے بعد "ہیں" کو چھوڑ دیا ہے۔ لیکن اگر مولانا کے علاوہ کوئی اور شخص اس عبارت کو پڑھتا تو وہ یقیناً یہ ہی سمجھتا کہ اس میں "ہیں" چھوٹا ہوا ہے اور یہ محض کتابت کی غلطی ہے۔

اسی طرح مقدمہ ابن خلدون کی جو عبارت کاتب نے مجروح کی ہے وہ خود میری سمجھ میں بھی نہیں آرہی ہے اور یقیناً یہ بے معنی فقرے ہیں۔ لیکن مولانا اس کا جواب مجھ سے طلب نہ کریں۔

یہ عجیب بات ہے کہ ہمارے علامہ حدیث کے متعلق میرے ہم نوا بھی ہوتے ہیں۔ اور پھر مجھے صلواتیں بھی سناتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"یہ بھی صحیح ہے کہ حدیث کی کتابوں میں ضعیف روایتیں بھی موجود ہیں۔ مگر یہ بھی کوئی نیا انکشاف نہیں ہے"۔

اور پھر اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں:۔ "کہ اسکا یہ نتیجہ تو نہیں ہوسکتا کہ سرے سے تمام کتابوں کو ساقط الاعتبار قرار دیدیجئے"۔

کیا میں نے یہ کہا ہے میں تو یہ کہہ رہا ہوں۔ کہ غلط اور صحیح حدیثیں اس طرح مل گئی ہیں کہ ایک کو دوسرے سے جدا کرنا نہ ہمارا کام ہے نہ آپ کا۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا آپ اس لذیذ کھانے میں تامل نہ فرمائینگے۔

سنہ ۱۹۳۱ء

جس میں ایک تھوڑی سی مقدار سنکھیا کی ملادی گئی ہو۔ کیا آپ کسی شخص سے اس "ناں" کا حامل وہ مسموم کھانے کو غیر مسموم بنانے کی طاقت رکھ سکتا ہے آپ میں اگر یہ طاقت ہے تو آپ کو مبارک۔ مجھ میں تو یہ طاقت نہیں اور نہ میری طرح عام مسلمانوں میں۔

لیکن آئیے ہم اور آپ مصالحت کا راستہ نکالیں اور وہ صرف یہ ہے:۔

"تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئاً"

---

مگر آپ کی اس تحریر کے بعد مولانا روم کا وہ شعر بے اختیار زبان سے نکلتا ہے۔

تو حقیقت را چہ دانی جاہلی
تو گرفتار ابوجہد و غلی

سید مقبول احمد

---

# شہاب کی سرگزشت

(دوسرا اڈیشن) حضرت نیاز کا وہ عدیم النظیر افسانہ جو اردو زبان میں بالکل پہلی مرتبہ سیرت نگاری کے اصول پر لکھا گیا ہے۔ اس کی زبان، اسکی تخیل اسکی نزاکت بیان، اسکی بلندی مضمون اور اسکی انشاء عالیہ سحر حلال کے درجہ تک پہونچتی ہے۔ قیمت علاوہ محصول (عہ)

# شاعر کا انجام

(دوسرا اڈیشن) جناب نیاز کے عنوان شباب کا لکھا ہوا افسانہ جس میں پاکیزگی بیان، اسلوب ادا، ندرت خیال، اور جدت اظہار کے ایسے ایسے نادر نمونے موجود کہ کسی ادبی تصنیف میں نہیں مل سکتے۔ حسن و عشق کی تمام نشہ بخش کیفیات اسکے ایک ایک جملہ میں موجود ہیں۔ قیمت علاوہ محصول۔ (۱۰ر)

# گہوارۂ تمدن

(دوسرا اڈیشن) مولانا نیاز کی وہ معرکۃ الآرا کتاب جسمیں تاریخ اور اساطیر سے ثابت کیا گیا ہو کہ ارتقاء تمدن میں عورت نے کتنا زبردست حصہ لیا ہے۔ اور دنیائے تہذیب شائستگی اسکی کسقدر ممنون ہو۔ اردو میں بالکل پہلی کتاب ہو۔ قیمت علاوہ محصول (عہ)

مینجر "نگار" لکھنؤ

ریاض از آ...

# ریاض آپ اپنے آئینہ میں

(بسلسلۂ گزشتہ)

میں یہ ظاہر کر چکا ہوں کہ دیوانِ ناظم کی۔ کئی سے جلدیں جو خلد آشیاں نے مجھے مرحمت فرمائیں وہ شمس العلماء اور جناب داغ کی تحریک و تائید کا نتیجہ تھیں۔ ممکن ہے مجھے زیادہ فائدہ پہونچنے کے خیال سے یہ تحریک پیش کی گئی ہو۔ بذہن خود میں یہ سمجھتا تھا کہ شمس العلماء مجھ سے گونہ کشیدہ ہیں۔ داغ صاحب کو بہ اعتبار مراسم تائید کے سوا چارہ نہ تھا۔

شمس العلماء کی کشیدگی کا خیال مجھے اس بناء پر تھا کہ شمس العلماء کے عم بزرگ جناب مولوی مظفر حسین صاحب شوخی جو ترک وطن کر کے اجمیر شریف میں آستانۂ مبارک پر ہمیشہ کے لئے جاگزیں ہو چکے تھے۔ انکی دختر نیک اختر کی نسبت قبلہ حافظ عنایت احمد مرحوم خیرآبادی مشہور وکیل دہلی کے ساتھ انکی زوجہ مرحومہ نے کئی سال ہوئے کر دی تھی شمس العلماء نے بحالت لاعلمی اپنے عم بزرگ سے فوری منظوری لی اپنے عقد کے لئے تحریک انکی صاحبزادی کے ساتھ کی۔ یہ تحریک منظور ہوکر عقد رومال یا کسی خاص مسئلے کے تحت میں بمقام اجمیر ہو گیا۔

لڑکی ماں کے پاس۔ خیرآباد یا رسولی ضلع بارہ بنکی میں مدت مدید سے تھی۔ ماں کو جب عقد صبیہ کا حال معلوم ہوا۔ تو وہ خاندانی مراسم کی بناء پر فوراً فرنگی محل چلی گئیں۔ وہیں سے حافظ عنایت اللہ مرحوم وکیل دہلی کو طلب کیا اور خیرآباد سے دیگر اعزہ کو۔ یہاں سے مجھے۔ اور حافظ نظام اللہ مرحوم کو منشی نیاز احمد مرحوم نے بھیجا۔ ہم دونوں بھی بمقام فرنگی محل اسی مکان میں ٹھہرے۔ جہاں بزم عروسی برپا تھی۔ دوسرے روز شب کو مراسم عقد عمل میں آئے۔ مولانا عبدالرزاق قدس سرہ العزیز فرنگی محلی نے نکاح پڑھایا۔ مبارک سلامت کے ساتھ وقت گزر گیا۔

شمس العلماء بھی کسی ذریعے سے خبر پاتے ہی لکھنؤ آئے اور سٹی مجسٹریٹ کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ ناکح اور گواہ وغیرہ بھی شوہر کے ساتھ مدعا علیہم قرار پائے۔ سمن جاری ہوئے۔ تاریخ مقرر ہوئی۔ ہر طرف یہی شور، یہی چرچا۔ علماء و عمائد لکھنؤ سب آتش زیر پا۔ مولانا عبدالرزاق فرنگی محلی اس پائے کے بزرگ کہ لکھنؤ کے سوا بیرونجات میں بھی شدید اثر تھا۔ وقت یہ تھی کہ شمس العلماء کا درجہ بھی بلاد ہند اور دیگر ممالک میں مسلمہ تھا۔

اُس زمانے میں مولوی یعقوب صاحب فرنگی محلی کی ادارت و ملکیت میں لکھنؤ سے ہفتہ وار کارنامہ

شائع ہوتا تھا۔ جس میں اس مقدمہ کے متعلق کچھ مضامین شائع ہوئے جنکی سرخی تھی "وو ملاؤں میں مرغی حرام" صلح کی تمام کوششیں بے نتیجہ رہیں۔ تاریخ پر عدالت میں ہجوم تھا۔ مدعا علیہم کی جانب سے جماعت وکلاء نے ایک محضر پیش کیا۔ جس پر تمام علماء نے حوالجات کتب کے ساتھ عقد کے ناجائز اور غیر صحیح ہونے پر دستخط کئے تھے۔ وکلاء نے زور دیا کہ استغاثہ خارج کیا جائے۔

شمس العلماء نے بجواب عدالت کے روبرو مختصر دلنشین تقریر کی اور عدالت کو یہ سمجھا دیا کہ جن علماء نے محضر میں استغاثے کے خلاف حوالے دئے ہیں۔ میں ان سے دو چار مختصر سوال کرونگا۔ عدالت جوابات کے ساتھ انھیں قلمبند کر کے فیصلہ فرمادے۔ مگر اتفاق کہ صرف محضر پر بہ امید آئندہ تاریخ اکتفا کی گئی تھی۔ کوئی حاضر نہیں ہوا تھا۔ وکلاء نے اسکے خلاف عدالت سے ہر طرح چاہا کہ علماء کو حاضری عدالت کی تکلیف نہ دیجائے مگر عذرات نامسموع ہو کر قطعی تاریخ بہ اجرائے سمن مقرر کر دی گئی (عدالت علماء کی بحث کے لطف کو کب ہاتھ سے جانے دیتی تھی)

بلند پایہ علما عدالت میں جانا نہیں چاہتے تھے۔ خصوصًا مولانا عبد الرزاق فرنگی محلی جن کا عدالت میں جانا لکھنو کیا ہندوستان گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ اس تاریخ کی شہرت تمام لکھنؤ میں بلکہ دور و دراز اضلاع غیر و بیرونجات میں ہو گئی تھی۔ ہر شخص تاریخ پر عدالت میں وہ سماں دیکھنا چاہتا تھا جو پورب کے گنوار پچاس برس پہلے ہائی کورٹ الہ آباد کی شاندار عمارت وکلاء و بیرسٹروں وغیرہ کے کروفر سے مرعوب و متاثر ہو کر دیہات کے گنواروں میں داد خوش بیانی دیا کرتے تھے۔ مثلاً شاندار عمارت کے ذکر میں "ادھر سے آئے ہاکٹو بیر باندھو کنات" (قنات کنایہ از دستار) ڈبلو (وکیل) پھر عدالت کے اندر وانکی گرج اور کڑک۔ جو مشتاق اٹھا گیا ہوا انکو نصیب نہیں۔ مثلاً اسکا یہ آخری فقرہ۔

چھاتے لاگ، چڑی جوے لاگ انگار ٹپ۔ ٹپ۔ ٹپ
(بجلی) (ٹپکنے لگے)

الفاظ کا گھٹاؤ و بڑھاؤ اور موقع سے ٹھراؤ جس موثر انداز میں عظمت و جلال اور شان و شوکت پیدا کرتا تھا۔ اس کا بیان دشوار ہے۔

اس مقدمے کی وجہ سے سٹی مجسٹریٹ کی عدالت کو ہائی کورٹ اور چیف کورٹ کا درجہ حاصل ہونیوالا تھا اور کیوں نہ ہوتا۔ ایک طرف نہ صرف علمائے فرنگی محل بلکہ تمام علمائے لکھنو۔ پھر دہلی و لکھنؤ کے وکلاء کی ایک اثر انداز جماعت انکے علاوہ۔ دوسری طرف شمس العلماء علامۂ خیرآبادی جو اور علوم کے علاوہ منطق میں خود اپنی نظیر ہو سکتے تھے۔ ذہانت۔ ذکاوت۔ حافظہ۔ تجربات خداداد۔ خوش بیانی کا وہ عالم کہ سننے والا محو ہو۔ ان کی تائید میں اور جو حضرات ہوں مجھے علم نہیں۔ معاملہ بھی نازک مسئلہ بھی نازک سہ

وہ بھی نازک اور نازک وقت بھی — کیا ہو صبح وصل دیکھا چاہیے

شمس العلماء کو کچھ بھی علم ہوتا کہ مولوی حافظ عنایت اللہ وکیل سے لڑکی کئی سال سے منسوب ہے۔ تو باوصف اسکے کہ شمس العلماء کی اہلیہ کا انتقال ہو جانے سے عقد کی ضرورت تھی۔ مگر وہ کبھی ادھر ملتفت نہ ہوتے۔ اسی طرح اہلیہ مولوی مظفر حسین شوخی کو اس کا علم ہوتا کہ شمس العلماء کا عقد صحیح و جائز طریہ ہو چکا ہے تو وہ دختر نیک اختر کے عقد میں عجلت سے کام نہ لیتیں۔ اب فریقین کے لئے سنگ آمد و سخت آمد کا معاملہ تھا۔ سٹی مجسٹریٹ کی عدالت تاریخ پر۔ تھیٹر اور سینما کی اسٹیج بننے والی تھی۔

ہم کسی داستان گو کی طرح بقیہ داستان بہ فردائے شب کہنا نہیں چاہتے۔ اسٹیج کا نام آجانے سے کچھ دیر کے لئے پردہ کا گر جانا کافی ہے۔ بیرون پردہ تفریحی فرصت میں مشغلہ شعر و سخن سے زیادہ دلچسپ کون شے ہو سکتی ہے۔ تفریحی فرصت کے مکالمے اکثر کچھ نہ کچھ تعلق پردہ ہی سے رکھتے ہیں۔ اس اعتبار سے کسیقدر مناسبت کا پیدا ہو جانا خالی از لطف نہ ہوگا۔

بزم عروسی رچنے سے جو نیم رقیبانہ ہنگامہ کارزار گرم ہونے پر صف آرائیاں ہوئیں۔ ان کے فوٹو کے لئے یہ شعر بہت کم سرمایہ دار ہے ؎

آئینے کا تو رخ صاف طرفدار ہوا — زلف نے باندھ لی شانہ کی حمایت پہ کمر

مزاج حسن میں آئینہ و شانہ سے زیادہ درخور کسے ہو سکتا ہے۔ یہ اتفاق ہے کہ دونوں میں فرضی رقابت کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔

اب میں اسی زمین میں متعلق و غیر متعلق چند شعر سنانا چاہتا ہوں گھبرائیگا نہیں۔ یہ شعر بجائے خود آپ صنائع و بدائع کے ساتھ جس بیساختگی اور جدت سے ادا ہوئے ہیں۔ آپکے لئے کچھ کم نہیں ہیں ؎

**ریاض:** ہماری آنکھوں نہیں آؤ تو ہم دکھائیں تمہیں — ادا تمہاری جو تم بھی کہو کہ ہاں کچھ ہے

~~~~~~~~

فرد وہ اے اہل تماشا کہ ہے ہنگام نظر — بزم عشرت میں ہوئے جمع حسین رشک قمر

صرف آرائش زینت ہیں حسینانِ جہاں — بدلے جاتے ہیں لباس اور مرصع زیور

بدھیاں پھولوں کی ہیں زیب گلو بر دوش — دست و پا میں ہے حنا۔ سرمہ ہے منظور نظر

شانہ و آئینہ ہیں لیکہ مصاحب دونوں — ایک سے ایک نے باندھی ہے رقابت پہ کمر

آئینہ۔ شانے سے کہتا ہے کہ سر چڑھ نہ بہت — منہ کی کھائے نہ کہیں چاک ترا ہو جگر

دیکھ مجھکو کہ جگہ گو کہ ہے زانو پہ مری — غیرتِ حسن کے چہرے کیطرح ہوں ششدر
~~~~~~~~

مرتبہ جو ہے مرا تجھکو وہ حاصل ہے کہاں
صاف طینت ہوں صفائی کا ہی مجھ میں جوہر

کون سی بزم میں ہوتی نہیں حاجت میری
خانہ بردوش ہوں پر دلِ امیروں کے ہے گھر

آبداری کا مرے سامنے دعوےٰ جو کرے
روبرو صاحبِ انصاف کے جھوٹا ہو گُہر

یُمن ہے اہلِ جہاں کو مرا نظارۂ رُخ
دیکھتے ہیں مجھے جب دیکھتے ہیں ماہ صفر

صافیِ قلب سے پایا ہے جو رتبہ میں نے
چاندی سونے کا دیا ہے مجھے اللہ نے گھر

آب و نان مجھکو نہیں ہے کسی مہمان سی عزیز
دشمن و دوست کے منھ پر ہے کشادہ مرا در

نہیں رکھتا ہوں لگی حال بد و نیک میں کچھ
صاف کہہ دیتا ہوں، آتا ہے جو کچھ پیش نظر

مجھ سے بھی عقدۂ نیرنگِ جہاں کھلتا ہے
جم کو دیتا تھا اگر جام زمانے کی خبر

بزم عالم میں فقط وجہ سے میرے ابتک
نام روشن ہے چراغ لحد اسکندر

مجلس خاص نبی میں تھی رسائی میری
ابتدا سے مرے طالع کا ہے روشن اختر

وہ صفائی مجھے حاصل ہے کہ ہر دل ہوں عزیز
جتنے اصحاب تھے رکھتے تھے مجھے پیش نظر

ہاتھ سے دامن دولت نہ کسی دم چھوٹا
اہلِ دولت ہی کے زانو پہ ہوئی عمر بسر

اہلِ تنجیم کی آنکھوں میں بھی ہے قدر مری
ہوں کبھی مشتری و زہرہ کبھی شمس و قمر

بولتا ہے مری تائید سے طوطی اُس کا
ورنہ طوطی میں کہاں ہے کوئی سحر [illegible]

خاکساری ہے ان اوصاف مجھ میں نیسی
غازۂ چہرہ نہیں اور بجز خاکستر

ایک تو ہے کہ نہیں تجھ میں ذرا نام کو نور
زحل آسا ترے طالع کا سیہ ہے اختر

پارہ چوب جگر چاک دنی بے قیمت
چار پیسے کو جسے مول نہ لیں اہلِ ہنر

بال بیکا ہو کسی کا تو توڑیں ترے دانت
دانت دینے لگیں ایذا تو شکستہ بہتر

قاعدہ بزم ادب کا تجھے بھولے جو کبھی
پیش جائے نہ تری ایک کریں زیر و زبر

بخدا اشغل سے نکلتا نہیں ہرگز کوئی کام
خشک ہو شاخ تو اس سے نہیں امید ثمر

بال یوں منھ میں ترے ٹوٹ کے رہجاتا ہے
جسطرح شانۂ ہمسائے میں تھا سانپ کا گھر

کرکری تیزی دنداں سے ہوئی اور تیری
جسمیں دندانے پڑیں تیغ وہ ہے بے جوہر

کشمکش نے تری کانٹوں میں گھسیٹا ہے تجھے
پہلو دشمنیں ہیں ترے خار اِدھر اور اُدھر

سو زبانیں ہیں ترے منھ میں تو حاصل کیا ہو
گنگ کی طرح سے خاموش ہو کر تو آٹھ پہر

اس لیاقت پہ یہ دعوے مجھ کیا [illegible]
کر [illegible] خان [illegible] امام سے [illegible]

کچھ بھی غیرت ہو تو پانی میں کہیں ڈوب مرے ایسی ذلت سے تو ہے خاک میں ملنا بہتر
صاف صاف آئینے نے بڑھ کے کیا جب یہ کلام غیر کے عیب سب اظہار کئے اپنے ہنر
کھپ گیا شانہ ملامت کا نشانہ بن کر موئے تن راست ہوئے تیر کی صورت یکسر
ہمہ تن ہو کے زباں کہنے لگا یوں سر دست منہ بنا چاہیے عاقل کو تعلی سے حذر
رتبہ میرا تجھے معلوم نہیں سن مجھ سے منحصر ہے صفتِ عقدہ کشائی مجھ پر
ہے حسینوں میں رسائی تری گاہے گاہے کوچۂ زلف میں ہے میری جگہ آٹھ پہر
رات دن خندۂ شادی سے عیاں ہیں مرے دانت اپنی تقدیر کو روتا ہے تری آنکھ ہے تر
میری ہی شکل سے مقبولِ دلِ عالم ہے، پنجۂ مرجان کا ہو یا پنجۂ خورشید سحر
کہتے ہیں پنجۂ مژگاں کو جو شانہ شاعر اسکو آنکھوں پہ جگہ دیتے ہیں اربابِ نظر
ہے جو لبریز عسل شانۂ زنبورِ عسل اس عذوبت کا سبب نام کا میرے ہے اثر
کی ہے تشدید نے پیدا جو شباہت میری لفظ اللہ میں شامل ہے وہ از خوب نظر
شانۂ عاج کبھی شانۂ شمشاد کبھی شانے میں دیکھتے ہیں فال تو پاتے ہیں ظفر
صاحبِ ریش نہ جبتک کہ کرے شانہ کشی ہو نہ حاصل شرفِ پیروی پیغمبر
اُس میں بھی لفظ ہے شانے کا زہے عز و شرف جل شانہ ہے جو توصیفِ خدائے اکبر
تو نہ مانے تو نہ مانے مجھے پروا کیا ہے عیب بیں جو ہے اُسے کب نظر آتا ہے ہنر
سوچ تو دل میں ذرا عیب ہیں تجھ میں کتنے سادہ و شوخ و دریدہ دہن و بد گوہر
سوجھتا خاک نہیں کوردلی سے تجھ کو سخت جاں تیرہ دروں اصل ہے تیری پتھر
روبرو اور ترا حال ہے غیبت میں کچھ اور صاف عالم کی دورنگی کا ہے تجھ میں بھی اثر
چشمۂ آب تو ظاہر میں ہے باطن میں سراب دہو کے پیاسوں کو دیا کرتا ہے تو شام و سحر
خود نمائی کے سوا تجھ میں نہیں کوئی صفت سادہ لوحی کے سوا تجھ میں نہیں کوئی ہنر
صاف بین ہے من الامس کہ شب کور ہے تو شب تیرہ میں تجھے کچھ نہیں آتا ہے نظر
نہ جمے پر نہ جمے شکل جو ہو ذہن نشین نہ مٹے پر نہ مٹے بال پڑے دل میں اگر
قصہ کوتاہ زیادہ ہوئی دونوں میں جو بحث تھی جو ان دونوں کی حامی اُنھیں پہنچی یہ خبر
آئینے کا تو رُخ صاف طرفدار ہوا زلف نے باندھ لی شانے کی حمایت پہ کمر
لشکرِ روز تو زیرِ علم خسروِ رخ فوجِ شب بادشہ گیسوئے پرچین کی سپر

اک طرف ماہ ہوا ایک طرف پرتوِ مہر — اک طرف شام ہوئی ایکطرف نورِ سحر
سپہ سنبل و شبّو طرف زلف سیاہ — لشکرِ لالہ و گل جانبِ روئے انور
پیر گردوں نے کہا طرفہ قیامت آئی — اب کوئی آن میں ہوتا ہے جہاں زیر و زبر
بیچ میں پڑ کے کہا - خوب نہیں ہو یہ فساد — صلح اس جنگ سے ہر ایک طرح ہی بہتر
حق میں دونوں کے یہ اولیٰ ہے کہ پاس ایک چلو — صاحب حکم جو ہے مہر عدالت گستر

کون وہ کلب علیخان بہادر نامی
منبع جود و سخا زیب دہ علم و ہنر

پردہ اٹھا۔

علمائے فرنگی و عمائد شہر کی طرف سے چند با اثر مقتدر اکابر خاص شقّے اور متعدد گرامی نامے لیکر رامپور پہونچے اور نواب کلب علی خاں بہادر مرحوم کے حضور میں باریاب ہوئے۔ باوصف اس کے کہ خلد آشیاں اپنے استاد کے مرتبے اور نازک مزاجی کا بہت ہی لحاظ رکھتے تھے۔ مگر وعدہ فرما کر سب کو مطمئن کر دیا۔ اور شمس العلماء علامہ خیرآبادی کو بہ عجلت تمام خاص طریقے سے طلب فرما کر اپنی آرزو براری کا وعدہ لیا پھر ارشاد فرمایا کہ رفیق زندگی جن شرائط کے ساتھ مطلوب ہو اس کا انتظام و اہتمام ریاست کے ذمہ ہے۔ تمام کارروائی صیغۂ راز میں رہی۔ اور تاریخ پر صلحنامہ یا استغاثے سے دست برداری عدالت میں داخل ہو گئی۔

حوریاں رقص کناں ساغرِ مستانہ زدند

یہ اسباب تھے جنکی بناء پر میں شمس العلماء کی نسبت غلط فہمی میں مبتلا ہوا مجھے تسلیم ہے کہ شمس العلماء کی تحریک اور جناب داغ کی تائید نیک نیتی سے تھی۔ مگر مجھے بہ اعتبار نقد و زر نقصان پہونچا اور گو خلد آشیاں نے اپنے دست مبارک سے خلعتی دوشالہ میرے زیب دوش فرما کر مجھے گراں دوش کیا اور زر نقد بھی شاندار طریقے سے بھیجا۔ مگر میں "برو کتابے چند" کا ہر طرح مصداق رہا۔

کارنامۂ لکھنؤ نے جس عنوان کے تحت میں مضامین شائع کئے یہ تو ہو سکتا ہے کہ اڈیٹر ریاض الاخبار و گلکدہ ریاض کا اُن سے لگاؤ نہ ہو۔ صرف بزم عقد لکھنؤ میں میری شرکت کم و بیش آزردگی کے لئے کافی سمجھی جا سکتی تھی۔ بہر حال انچہ گزشت گزشت۔ یہ صحیح ہے کہ شمس العلماء اور جناب داغ کے تعلقات تا حیات مجھ سے کمال شگفتہ رہے اور دونوں مقتدر ہستیاں مجھے ہمیشہ اک شاگرد عزیز کا ہم مرتبہ سمجھتی رہیں۔ بلکہ ایک مرتبہ جب شمس العلماء حیدرآباد دکن سے وظیفہ یاب ہو کر خیرآباد واپس آئے تھے تو میری زبان سے بر سبیل تذکرہ ایک واقعہ سُن کر دیر تک کف افسوس ملتے رہے اور بار بار یہ فرماتے تھے کہ داغ صاحب سے یہ غلطی کیونکر سرزد ہوئی۔

واقعہ یہ تھا کہ گلچیں جب لکھنؤ سے گورکھپور منتقل ہوا۔ اس کا تعلق مجھ سے اور ریاض الاخبار پریس سے ہوگیا۔ میں نے یہ التزام کیا کہ مصرع طرح ہر مرتبہ کسی استاد سے یا ایسے ممتاز شعراء سے لیا جائے جو وقیع ہوں اس التزام سے کئی نمبر گلچیں کے بہت کامیاب نکل چکے تھے۔ اسی سلسلے میں استاد مرحوم کو تکلیف دی گئی اور جناب امیر مینائی نے یہ مصرع لطف فرمایا۔

کنی ہیرے کی نیلم میں جڑی ہے

جب یہ مصرع شائع کیا گیا تو گلچیں میں مصرع طرح پر مصرع بہم پہنچانے کی بھی فرمائش کی گئی۔ ابھی اس طرح میں ناتمام دو تین نمبر نکلے تھے کہ اعلےٰ حضرت میر محبوب علیخاں مرحوم خسرو دکن بالقابہ کو توجہ اس طرف ہوئی۔ اعلےٰ حضرت کی غزل کا یہ مصرع اس قدر مقبول و شہرت پذیر ہوا کہ تمام ہندوستان پر چھا گیا۔ اور گویا وہی مصرع طرح قرار پاگیا۔

یہ چوٹی کس لئے پیچھے پڑی ہے

متعدد شعرائے نامی نے اس پر مصرع لگائے۔ شاید ہی کوئی ایسا شاعر ہو جس نے اس زمین میں پوری قوت سے فکر نہ کی ہو۔ گلچیں کے نمبر ایک سال تک اسی طرح میں نکلتے رہے۔

جب خسرو دکن نے غزل کہی اور اس مصرع نے ہر طرف دور دور شہرت حاصل کی۔ تو دکن سے ابراہیم صاحب خانساماں کا خط انکے ایک پیش دست کا لکھا ہوا میرے نام آیا جس میں تحریر تھا میں تمہارے لئے کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دونگا تم یہاں آنیکے لئے تیار رہو۔ بہت جلد اعلیٰ حضرت تمہیں یاد فرمائیں گے اور تین مصرع طرح گلچیں کے لئے اعلیٰ حضرت نے مرحمت فرمائے ہیں۔ انکو نمبر وار شائع کرتے رہنا۔

مجھے سطحی تحریر اور تم تم کی تکرار خط میں گراں گذری۔ میں ابراہیم صاحب خانساماں سے واقف نہ تھا نہ انکے پیش دست سے۔ میں نے جناب داغ کو نیاز نامہ بھیجا اور اسی کے ساتھ ابراہیم صاحب کے خط کی نقل بھیجکر اعلےٰ حضرت کے عطیہ طرحی مصرعوں کی اشاعت کے لئے ممدوح کی رائے دریافت کی۔

ممدوح نے تحریر فرمایا۔ جواباً لکھ دیجئے۔ جب تک استاد اعلےٰ حضرت کی وساطت سے مصرع نہ آئیں گے گلچیں اشاعت سے قاصر رہے گا۔

اس کا اثر جو کچھ ہونا چاہیئے تھا ظاہر ہے۔

شمس العلماء دست افسوس ملکر اس واقعہ کو جناب داغ کی غلطی اور میری انتہائی بدنصیبی پر محمول کرتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ ابراہیم صاحب کے اقتدار و اختیارات کا بھی تفصیل کے ساتھ ذکر فرماتے۔ میں دل ہی دل میں کہتا۔ ع

چشم ما بسیار ازیں خواب پریشاں دیدہ است

جناب شمس العلماء کی سابقہ نوازشوں اور اس برتاؤ سے میں کبھی گمان بھی نہیں کر سکتا کہ شمس العلماء کی طبع نازک پر میرے کسی فعل سے گرانی پیدا ہوئی ہو۔ بفرض ایسا ہوا بھی ہو تو وقتی چند ساعت کے لئے خفیف اثر ممکن ہے۔ اسی طرح جناب داغ کی نسبت میں شمس العلماء کا ہم خیال نہیں کہ انکی غلطی بھی اپنے متعلق کبھی تسلیم نہیں کر سکتا جناب داغ تا حیات نہایت کشادہ دلی سے ریاض الاخبار کے پردہ میں میری امداد فرمانا اپنی وضع میں داخل سمجھتے تھے۔ ممدوح کے ہر نوازش نامے میں حرف حرف سے محبت ٹپکتی تھی۔ بلکہ سادہ بین السطور سے بھی محبت کے چشمے ابلتے تھے۔

اس سے پیشتر کہ میں۔ خواب پریشاں دیدہ ام کے سلسلے میں کچھ کہوں۔ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس طرح میں۔ یہ چوٹی کس لئے پیچھے پڑی ہے۔ گلچیں کی کامیابی اس سے زیادہ کیا ہو سکتی تھی کہ اعلیٰ حضرت خسرو دکن نظام نے توجہ فرما کر غزل کہی جس کا اثر یہ ہوا کہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں اس زمین کی دھوم مچ گئی۔ یہ زمین واقعی آسمان سے اتری ہوئی تھی۔ میر انیس صاحب نے صحیح فرمایا تھا ع ہم آسمان سے لاتے ہیں ان زمینوں کو۔ ہر چند طرح گلچیں کے سلئے یہ نئی زمین نہ تھی مگر یہ انتخاب عجیب تھا۔ جسمیں شاعر کے لئے کبھی قافیہ تنگ ہو ہی نہیں سکتا۔ پھر یہ قافیہ ایسا ہے کہ اس میں جتنے شعر چاہیئے زبان کے کہئے۔ مجھے پہلے بھی کبھی کبھی خیال آیا مگر اب پھر یہ خیال تازہ ہو گیا کہ طرح کے سب نمبر۔ کتابی صورت میں بغیر انتخاب شائع کئے جائیں۔ اور چونکہ اب شاعری نے انگریزی تعلیم کے زیر سایہ مضامین میں جدت اور زبان میں وقت پیدا کر دی ہے نیز قدیم مذاق صحیح سے چاہا گیا ہے کہ وہ بھی پرانی لکیر کا فقیر نہ ہو اب اس زمین میں تیس برس کے بعد دور حاضر کے شعراء کو فکر سخن کا موقع دینا چاہیئے۔ اگر موجودہ اعلیٰ حضرت نظام دشہریار دکن خود بھی اسی زمین کو چار چاند لگا کر آسمان بنانا چاہیں تو پھر یہ زمین تمام ہندوستان پر چھا جائے اور کالجوں کے نکلے ہوئے پاس شدہ وغیر پاس شدہ جنہوں نے کافی طور پر مشق سخن بھی حاصل کر لی ہے اس امتحانی آسمان شگفتہ فیض رساں زمین میں فکر فرما کر عرش کے تارے توڑیں اور شکسپیر و ملٹن کی تشنہ روحوں کو اپنے شعر تر سے فاتحہ کا ثواب پہنچائیں تو کیا کہنا ؎

اک شے ہے بہر فاتحہ از قسم شہد و شیر　　اس فاتحہ کا بادہ کشوں کو ثواب ہو

دنیا کو اندازہ ہو جائے کہ تیس برس پہلے شاعری اپنے مذاق و زبان کے اعتبار سے کیا تھی اور اب ارتقا کی حالت میں کیا ہے۔ کیا ایوان اشاعت گورکھپور ترجیح حق کے لحاظ سے کتابی صورت میں طباعت و اشاعت کا انتظام کر سکتا ہے نہ صرف انتظام بلکہ انگریزی مذاق کے شعراء کو بھی اسی زمین میں فکر کرنے کے لئے تکلیف دے۔ مجنوں گورکھپوری سکرٹری ایوان اشاعت و جناب جگر گورکھپوری ممبر ایوان اشاعت اپنے مذاق فطری کے لحاظ سے ضرور اشاعت کے لئے توجہ فرمائیں گے۔ اس طرح کے دو چار شعر جو مجھے اس وقت یاد آئے لکھتا ہوں۔ بشرطیکہ امیر و داغ کے مطلع

ہمت شکن نہ سمجھے جائیں۔ اگر شعرائے حال کو۔ موجودہ مذاق نے اجازت دی اور کتابی صورت میں طرحی کلام جدید و قدیم شائع ہوا۔ تو یہ کہنے کا موقع ملے گا ؎

سابق و حال کے جلوے کو مطابق کرلیں  آئینہ بھیجدے اے وادیٔ ایمن کا

اسی طرح کے دو چار حسب وعدہ سنالوں تو گلکدہ ریاض کا ذکر چھیڑدوں ؎

نغمے سے یوں ہوں بھرا اگ سے جیسے باجا  اک ذرا چھیڑئیے پھر دیکھئیے کیا ہوتا ہے

~~~~~~~~~~~~~~

## امیر مینائی

نظر کس چشم فتاں سے لڑی ہے  کہ آنکھوں کو لئے نرگس پڑی ہے

مطلع کا دوسرا مصرعہ پکارے کہہ رہا ہے۔ اس سے بہتر زبان کیا ہوسکتی ہے۔

## داغ دہلوی

نگاہ شوخ جب اُس سے لڑی ہے  تو بجلی تھرتھرا کر گر پڑی ہے

بجلی کی تصویر کھینچنا آسان کام نہ تھا۔ جناب داغ کا حصہ ہے۔

اور حضرات کے مطلع بھی بہت پاکیزہ ہیں جو مجھے یاد نہیں آتے۔ اپنا مطلع ضرور یاد ہے مگر وہ اس قابل کہاں۔ پھر بھی سنائے دیتا ہوں۔

## ریاض

مزے لوٹو کلیم اب بن پڑی ہے  بڑی اونچی جگہ قسمت لڑی ہے

میں اپنے نام کے ساتھ نہ خیرآبادی لکھ سکا نہ گورکھپوری۔ میں ہمیشہ اُس کے لکھنے سے محترز اس لئے رہا ؎

## داغ

کعبے کی ہے ہوس کبھی کوئے بتاں کی ہے  مجھکو خبر نہیں مری مٹی کہاں کی ہے

## ریاض

ہم بیکسوں کی لاش کو ملتی نہیں جگہ  حسرت پکارتی ہے کہ مٹی کہاں کی ہے

طرح گلچیں میں پنکھڑی کا قافیہ یاد آگیا اور دو حضرات کے دو مطلع بھی۔ پہلے پنکھڑی کا قافیہ سنئیے۔

## امیر مینائی

تمہارے لب ہیں باغ حسن کے پھول  تبسم اُن کی نازک پنکھڑی ہے

نازک مقابلہ ہے۔ میں لب کھولنے کی جرأت نہ کرونگا۔
~~~~~~~~~~~~~~

## داغ دہلوی

لہو کی بوند مژگاں سے جھڑی ہے یہی گلزار دل کی پنکھڑی ہے

## ریاض

میں رکھ لوں ریزۂ مینا کو دل میں ارے کس پھول کی یہ پنکھڑی ہے

وہ دو مطلع بھی سن لیجئے۔

## افضل مرحوم خلف اسیر لکھنوی

نقاب اُس بت کے چہرے پر پڑی ہے قیامت آڑ میں اُسکی کھڑی ہے

نازک بات کہی۔

## جلیل القدر جلیل جانشین امیر مینائی

جب آنکھ اُن کی ان آنکھوں سے لڑی ہے نظر افتاد بن بن کر پڑی ہے

اس نازک افتاد نے تڑپا دیا۔ بجلی کی تھرتھراہٹ داغ کا حصہ تھی۔ نظر افتاد بن بن کر جلیل کا حصہ رہی۔ ہم دونوں کو دیکھتے کہیں کے نہ رہے۔

نیاز صاحب اکیسواں روزہ۔ میں آفتاب لب بام۔ جتنی جلد رخصت ہوں اچھا ہے۔

ریاض (باقی)

---

## تاریخ الدولتین

جرجی زیدان مصر کے مشہور مورخ کی تاریخ تمدن اسلامی کے ایک حصہ کا ترجمہ جسمیں عہد امیۃ بنی عباس کی سیاسی تاریخ پر بیش تبصرہ کیا گیا ہے۔ ترجمہ مولانا نیاز نے کیا ہے اور اسقدر سادگی و تسلسل کے ساتھ کہ ترجمہ نہیں معلوم ہوتا۔ قیمت علاوہ محصول (عہ)

منیجر "نگار" لکھنؤ

## تذکرہ خندۂ گل

مولفہ مولوی عبدالباری آسی جس میں ۳۰۰ سے زائد اردو فارسی کے ظریف شاعروں کے حالات مع انکے لطائف و ظرائف و انتخابات کلام کے درج ہیں۔ اردو میں اپنے موضوع کے لحاظ سے بالکل اچھوتی چیز ہے۔ حجم ۵۰۰ صفحات قیمت علاوہ محصول (ععر) منیجر "نگار" لکھنؤ

# باب الاستفسار

## مسیح علم و تاریخ کی روشنی میں

(السلسلۂ ماہ گزشتہ)

افسوس ہے کہ انجیل مرقس کا ابتدائی حصہ بھی قابل اعتبار نہیں۔ اسی حصہ میں بیان کیا گیا ہے کہ "تین عورتیں اتوار کے دن علی الصباح گئیں تاکہ (خداوند) کے جسم پر خوشبودار مسالے ملیں" لیکن مصنف مذکور کو اس بات کا خیال نہیں رہا کہ ملک یہودیہ (JUDEA) جو ایک نہایت گرم ملک ہے اور جہاں لاش دن کے دن سڑ جاتی ہے، اپریل کے مہینہ میں مرنے سے دو روز بعد لاش پر خوشبودار مسالہ ملنے کا خیال کسی شخص کے دل میں بھی نہیں آسکتا تھا۔ علاوہ ازیں ان عورتوں کی نسبت یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ یہ بات جانتی تھیں کہ یسوع کی قبر کے منھ پر ایک بھاری پتھر رکھا ہوا ہے۔ جسے وہ ہٹا نہیں سکتیں۔ باوجود اس علم کے بھی وہ کسی مرد کو اپنے ساتھ نہیں لیجاتیں۔ اور وہ حیران ہو کر یہ بھی سوچتی ہیں کہ غار کے دہانہ سے پتھر کی سِل کیونکر ہٹائیں گے۔ پھر ان عورتوں کو قبر کے اندر ایک نوجوان مرد بیٹھا نظر آتا ہے۔ باوجود ان تمام واقعات اور حوادث کے وہ یہودی عورتیں خاموش رہتی ہیں۔ حالانکہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ جاکر تمام ماجرا لوگوں سے بیان کریں۔ مگر وہ گھر جاکر پھر بھی کسی سے یہ حال نہیں کہتیں۔ حتیٰ کہ یہاں تک بھی بیان نہیں کرتیں کہ خداوند کی لاش غائب ہوگئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انجیل مرقس میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ تحریف و تضاد کا ایک دفتر بے پایاں ہے۔ چند باتیں اسی سلسلہ میں اور بھی قابل غور ہیں۔ یعنی (۱) یوسف (ارمِتیاہ) نے دفن کرنے کے لئے لاش کو پوری طرح تیار کر لیا تھا۔ (ملاحظہ ہو باب ۱۵ آیتہ ۴۶) (۲) صلیب کی حفاظت کے لئے جو رومی سپاہیوں کا دستہ تعینات تھا اس کے افسر سے بھی یسوع کی شان میں یہ کہلایا گیا کہ:۔ "یقیناً یہ شخص خدا کا بیٹا تھا"۔ (۳) یسوع کے رشتہ دار اور شاگرد عرصہ دراز تک اسکی کرامتیں اور معجزے دیکھ چکے تھے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یسوع خدا ہے جس نے جسد خاکی قبول کر لیا ہے اور ان کا یہ بھی ایمان تھا کہ اس نے بنی نوع انسان کے گناہوں کا کفارہ بنکر صلیب پر اپنی جان دی۔ مگر بایں ہمہ وہ لوگ خوش ہونے کے بجائے خوف زدہ تھے اور پھوٹ پھوٹ کر روتے تھے۔

**متی کی انجیل** بلحاظ قدامت انجیل مرقس کے بعد انجیل متی کا نمبر آتا ہے۔ لیکن اس شخص نے وفات اور حیاۃ ثانیہ

کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے بیان مرقس کی تردید ہوتی ہے۔ مثلاً قبر یسوع کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ یہودیوں نے قبر کو بند کرکے اس پر پہرہ لگا دیا تھا۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ یہودی علماء کو خیال تھا کہ چونکہ یسوع اپنے احیاء ثانیہ کی نسبت پیشین گوئی کر گیا ہے۔ اس لئے ممکن ہے اس کے شاگردوں میں سے کوئی شخص یسوع کی لاش کو قبر سے باہر نکال لیجائے۔ اور پھر یہ اعلان کردے کہ وہ مرکر جی اٹھا۔ اس کے بعد متی نے ایک شدید زلزلہ کا ذکر کیا ہے جس کا حال کسی تاریخ میں درج نہیں ہے۔ لیکن جب قبر یسوع کا پتھر ہٹانے کے لئے زلزلہ سے بھی کام نہ چلا تو متی نے ایک فرشتہ پیدا کیا جس نے پتھر کو لنڈھا دیا اور پھر اس پتھر پر بٹھا دیا (مرقس نے فرشتہ کو قبر کے اندر بٹھایا تھا) اس فرشتۂ خداوندی کا جلال دیکھکر رومی سپاہیوں کا دستہ لرزہ براندام ہو جاتا ہے۔ (انجیل مرقس میں عورتوں نے فرشتہ کے بجائے "ایک اجنبی نوجوان مرد" دیکھا تھا جسکے حکم کی وہ تعمیل تک نہیں کرتیں)

متی کی انجیل میں دو عورتیں (مرقس کی انجیل میں عورتوں کی تعداد تین ہے) خوفزدہ ہوکر مہر بلب ہونے کے بجائے فوراً خوش خوش دوڑ جاتی ہیں تاکہ شاگردانِ یسوع سے تمام حال بیان کریں۔ اسی واقعہ پر ایک حاشیہ یہ بھی چڑھایا گیا کہ یسوع ان کو یروشلم جاتا ہوا ملا۔ (مرقس میں یسوع کی صورت ایک عورت کو عرصہ بعد نظر آئی تھی)۔ پھر رومی سپاہیوں کی نسبت یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ جاتے ہیں اور بڑے بڑے مقتدایان یہود سے تمام ماجرا بیان کرتے ہیں۔ بعد ازاں وہ مقتدایانِ دین سپاہیوں کو رشوت دیکر یہ کہلا دیتے ہیں کہ وہ سب کے سب پہرہ پر سو گئے تھے۔ لیکن یہ عجیب ماجرا ہے کہ باب ۲۷ آیت ۶۵ میں بیان کیا گیا ہے کہ رومی گورنر پلاطس نے فوجی سپاہیوں کے دینے سے انکار کردیا تھا۔ اور مقتدایانِ دین یہود کو ہدایت کی تھی کہ وہ اپنی پولس کے آدمی تعینات کریں۔ اور انھوں نے ایسا ہی کیا تھا۔ مگر باب ۲۸ آیتہ ۱۴ میں وہی پولس کے آدمی رومی سپاہی بنجاتے ہیں جو صرف گورنر کے سامنے جوابدہ ہیں۔ (حالانکہ گورنر صاف کہہ چکا تھا کہ وہ اس معاملہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا) اور پھر بھی رومی سپاہی چند روپیہ رشوت لیکر سزائے موت قبول کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں کیونکہ رومی فوج میں پہرہ پر سو جانے کی سزا قتل تھی۔

متی کی انجیل میں یسوع کے شاگردوں سے کہا جاتا ہے کہ اگر وہ مرکر زندہ ہو جانیوالے خداوند سے ملنا چاہتے ہیں تو جلیل کے پہاڑ پر کسی مقررہ اور پوشیدہ جگہ پر جاکر ملیں۔ اور اگرچہ ان شاگردوں کو یسوع کے احیاء ثانیہ کا ذرہ برابر بھی یقین نہیں۔ مگر وہ پھر بھی جاتے ہیں اور اپنے خداوند سے ملتے ہیں۔ یہ ہے حال انجیل متی کے خرافیات کا۔

## لوقا کی انجیل

اس کے بعد لوقا طبیب کی انجیل پر توجہ فرمائیے۔ یہ شخص پہلے تو یہ بیان کرتا ہے کہ ارمتیاہ کے یوسف نے یسوع کی لاش کی تکفین کرکے اسے دفن کردیا۔ لیکن بعد میں وہ عورتوں کو

(جن کے ساتھ بعض اور آدمی بھی شامل ہو جاتے ہیں) مرہم اور خوشبودار مسالہ دیکر قبر یسوع پر بھیجتا ہے۔ ان عورتوں کو (جیسا کہ متی نے بیان کیا) قبر پر بیٹھا ہوا کوئی درخشاں صورت فرشتہ دکھائی نہیں دیتا (جو بقول متی قبر سے باہر پتھر پر بیٹھا ہوا رومی سپاہیوں کے خوف زدہ دستہ پر مسکرا رہا تھا) اور نہ انھیں کوئی "اجنبی نوجوان" قبر کے اندر بیٹھا ہوا نظر آیا (جیسا کہ مرقس کا بیان ہے) بلکہ "دو آدمی زرق برق لباس پہنے دفعتاً نمودار ہوتے ہیں اور وہ ان عورتوں سے تمام ماجرا بیان کرتے ہیں۔ یہ عورتیں اپنے گھروں کی طرف دوڑ جاتی ہیں۔ اور یسوع کے شاگردوں کو یاد دلاتی ہیں کہ یسوع نے واقعی یہ پیشنگوئی کی تھی کہ وہ مرکر پھر زندہ ہو جائے گا۔ لیکن یسوع کے شاگرد یہ ماجرا سُن کر بھی اسے "بچوں کی کہانی" کہتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ یسوع ہرگز ایسا نہیں تھا جو مرکر دوبارہ زندہ ہو جاتا۔

اس کے بعد ایک نیا بیان مرتب کیا جاتا ہے کہ ایک مسیحی جماعت جو پولوس کے خلاف پطرس کی پیرو ہے وہ پطرس کو قبر یسوع کی طرف لیجاتی ہے۔ حالانکہ یہی پطرس ہے جس نے عورتوں کے بیان کو "بچوں کی کہانی" سمجھکر ٹال دیا تھا۔ الغرض پطرس قبر یسوع پر پہونچتا ہے اور وہاں اُسے یسوع کا کفن ملتا ہے۔ اسوقت پطرس تنہا تھا۔

لیکن کلیسائے مسیحی میں جو جماعت یوحنا کی پیرو ہے وہ یہ بات نہیں مانتی۔ انجیل یوحنا میں (باب ۲۰ آیتہ ۳) پطرس اور یوحنا کی بہاڑی پر دوڑ ہوتی ہے۔ جس میں پطرس ہار جاتا ہے۔ علاوہ ازیں انجیل یوحنا میں کفن کے متعلق تفصیلات بھی زیادہ نظر آتی ہیں۔ اناجیل کے بیانات میں یہ عجیب خصوصیت ہے کہ وفات یسوع سے جسقدر بعد کسی مصنف کو ہوتا جاتا ہے۔ اسی قدر اس کا علم واقعات کے متعلق دیگر مصنفین سے زیادہ ہوتا جاتا ہے پولوس کو بہت کم حالات معلوم ہیں۔ مرقس بمقابلۂ پولوس کے زیادہ حالات جانتا ہے۔ متی اور لوقا (جو صدی کے آخر میں ہوئے ہیں) وہ اور بھی زیادہ حالات سے واقف ہیں۔ لیکن یوحنا جو سب سے بعد (یعنی دوسری صدی عیسوی میں آتا ہے) وہ ہر بات سے واقف ہے۔

بہر حال لوقا کے نزدیک یسوع (جس میں اب کوئی عنصر خاکی نہیں رہا) اپنے دو شاگردوں کے ساتھ چند میل تک چلا جاتا ہے اور وہ بھی اس قدر طبعی طور پر کہ ان شاگردوں کو لمحہ بھر کے لئے بھی اس کے وجود میں کوئی شک و شبہ نہیں ہوتا۔ حالانکہ یسوع طویل گفتگو کے بعد ان پر ثابت کرتا ہے کہ اس کا مرنا اور جی اُٹھنا لازمی تھا (گویا یسوع نے انکے ساتھ کئی گھنٹہ تک خاک چھانی) بہر حال وہ شاگرد بڑے جوش میں گھر پہونچتے ہیں اور جان لیتے ہیں کہ جس شخص سے اثناء راہ میں انکی ملاقات ہوئی تھی وہ خدا تھا۔ پھر وہ یہ حال دوسرے لوگوں سے بیان کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ پہلی دو انجیلوں میں یسوع اپنے شاگردوں سے یروشلم میں ملاقات کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ اور جلیل کی پہاڑی پر کوئی خفیہ جگہ ملاقات کے لئے مقرر کرتا ہے۔ لیکن اب ان کے سامنے شہر یروشلم میں نمودار ہو جاتا ہے۔ اور باوجودیکہ اس کے شاگرد اس کے ہاتھوں اور پاؤں پر صلیب کی میخوں کے نشانات دیکھتے ہیں۔ مگر وہ پھر بھی اس کی

ہستی پر شبہ کرتے ہیں۔ اور صرف اس بات سے اپنا اطمینان کرتے ہیں کہ وہ شہد اور مچھلی کھاتا ہے یا نہیں۔ اس انجیل میں ایک اور بات پہلی انجیلوں کے خلاف یہ ہے کہ یسوع اپنے شاگردوں کو یروشلم چھوڑنے سے منع کرتا ہے۔ لیکن وہ لوگ دلیری کے ساتھ ہیکل کی طرف دوڑ جاتے ہیں اور گلا پھاڑ پھاڑ کر تمام ماجرا لوگوں سے بیان کرتے ہیں۔

## انجیل یوحنا

اب اس کے بعد ہمارے خیال میں انجیل یوحنا پر زیادہ غور کرنیکی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ دس بیس برس بعد اُنھیں قصوں میں اور چار چاند لگجاتے ہیں۔ انجیل یوحنا میں ہم پڑھتے ہیں کہ نیکودیمس اور یوسف نے واقعی یسوع کی لاش پر بمقدار کثیر مسالے ملے تھے۔ کیونکہ انجیل یوحنا باب ۱۹ آیۃ ۳۹ و ۴۰ میں لکھا ہے کہ وہ لاش پر ملنے کے لئے سو امن کے قریب مُر اور عود لائے تھے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مریم میگدلینی کوئی مسالہ نہیں لے گئی تھی۔ وہ تن تنہا اور خالی ہاتھ گئی تھی۔ علاوہ ازیں اُسے نہ کوئی فرشتہ نظر پڑا نہ کوئی پولیس والا دکھائی دیا۔ وہ گھر کی طرف دوڑ جاتی ہے اور پطرس (غالباً یوحنا سے بھی) بیان کرتی ہے جو قبر کی طرف دوڑتے ہیں لیکن وہاں ان کو بھی کوئی فرشتہ نظر نہیں آتا۔ بہرحال مریم میگدلینی تنہا جاتی ہے اور دو فرشتے دیکھتی ہے۔ وہ روتی اور فریاد کرتی ہے کہ یسوع کی لاش کو کوئی شخص چُرا لے گیا۔

اس سے آگے جو آیۃ آتی ہے اس میں یسوع مریم میگدلینی کو بھی دکھائی دیتا ہے۔ وہ یہ سمجھتی ہے کہ شاید یہ کوئی باغبان ہے اور اسی نے یسوع کی لاش چُرائی ہے۔ پھر یسوع مریم میگدلینی سے باتیں کرتا ہے۔ لیکن اپنے جسم کو ہاتھ لگانے نہیں دیتا۔ بعد ازاں وہ عورت یہ تمام حال یسوع کے شاگردوں سے بیان کرتی ہے۔ یوحنا اور مرقس برخلاف لوقا اور متی کے اس بات پر ہمخیال ہو جاتے ہیں کہ یسوع یروشلم میں اپنے شاگردوں کو ضرور نظر پڑا۔ گویا جلیل کے پہاڑ والا واقعہ بالکل غلط ہے۔

بقول یوحنا یسوع اپنے شاگردوں کو دو بار نظر آیا۔ اگرچہ وہ ایک مقفل دروازہ سے گذر جاتا ہو لیکن طامس یقین نہیں کرتا کہ وہ خداوند ہے جبتک وہ اس کے پہلو میں زخم نہیں دیکھ لیتا۔ اسکے بعد یوحنا ان لوگوں کو جلیل میں بھیجدیتا ہے۔ مگر باوجود اس امر کے کہ یسوع ان پر روح القدس دم کر چکا تھا (باب ۲۲) اور ان لوگوں کو گنہگاروں کو پاک کرنیکی قوتیں عطا کر چکا۔ وہ لوگ خلاف توقع اپنا وہی ذلیل پیشہ یعنی ماہی گیری اختیار کر لیتے ہیں۔

ناظرین کرام نے مندرجہ بالا بیانات سے معلوم کر لیا ہوگا کہ اناجیل اربع تضاد کا کسقدر خوفناک طومار ہے۔ اور بنظر غائر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ داستان ہوشربا پہلی صدی مسیحی کی گڑھنت ہے۔ خرافیات قدیمہ میں جیسی لغو باتیں ہوتی ہیں ویسی ہی داستانیں اناجیل میں بھی درج ہیں۔ اصلی واقعہ کے متعلق جو مختلف بیانات ہیں ان میں اور بعد میں جو تحریفات اور وضعات کئے گئے ان میں کوئی بھی مطابقت یا ربط نہیں ہے۔

## پولوس کا بیان

عہد نامۂ جدید میں اناجیل اربعہ کے بعد حالات مسیح کے سلسلہ میں تصانیف پولوس کا نمبر آتا ہے۔ اور خصوصاً اس کی کتاب اعمال۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چلتے چلتے

ایک تنقیدی نظر پولوس پر بھی ڈال لی جائے۔ کتاب اعمال کے مصنف نے بھوتوں۔ صور خیالی یا اشکال سیمیاوی کے متعلق انھیں باتوں کا ذکر کیا ہے۔ جو وہ انجیل لوقا میں لکھ چکا تھا۔ ہاں مسئلہ رفع الی السماء پر وہ ضرور کسی قدر اضافہ کرتا ہے اور اس باب میں جو کچھ اس نے لکھا ہے وہ کسی دوسرے مصنف انجیل کو معلوم نہیں ہے۔

مصنف کتاب اعمال بیان کرتا ہے کہ یسوع اپنے شاگردوں کو لیکر ایک پہاڑ پر گیا اور وہاں سے وہ ہوا میں بلند ہوا حتی کہ وہ ایک بادل میں غائب ہو گیا۔

پولوس کے خطوط سب سے پرانی تحریریں ہیں جن میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ پیروان یسوع اس واقعہ پر ایمان رکھتے تھے کہ یسوع مر کر پھر جی اُٹھا۔ اور چند سال بعد تک اپنے مختلف دوستوں کے سامنے ظاہر ہوتا رہا اور پطرس اور دیگر گیارہ (بعض جگہ بارہ لکھا ہے) حوارئین نے اسے دیکھا کتاب اعمال میں ایک تقریر پولوس کی زبان سے ادا کیگئی ہے جو بہ مقام انطاکیہ معبد الیہود میں کی گئی تھی۔ اس تقریر میں پولوس نے صاف طور سے بیان کیا ہے کہ جن لوگوں نے یسوع کی تجہیز و تکفین کی وہ یہودی ارباب حکومت تھے۔ اور واقعی طبعی حالات میں یہی توقع بھی کیجا سکتی تھی۔ اگر یہی واقعہ ہے تو یسوع کو بھی اسی گڈھے میں جو مصلوب شدہ مجرموں کے لئے تیار کیا گیا تھا دفن کیا گیا ہوگا (ملاحظہ ہو کتاب اعمال باب ۱۳ آیتہ ۲۷ لغایتہ ۲۹)

"کیونکہ اُنھوں نے جو یروشلم میں رہتے ہیں اور انکے حاکموں نے اسے نہ پہچانا اور نہ انبیاء کی وہ باتیں سمجھیں جو ہر یوم السبت کو پڑھی جایا کرتی تھیں۔ اسلئے اُنھوں نے اسکے خلاف فتوے دیکر ان باتوں کو پورا کر دیا۔ اور جب وہ ان تمام باتونکو جو اسکی نسبت تحریر تھیں پورا کر چکے تو انھوں نے اسکو دار پر سے آتار لیا اور اسے ایک قبر میں دفن کر دیا۔"

مندرجہ بالا بیان سے ان تمام دلچسپ تفصیلات کی تردید ہو جاتی ہے جو اناجیل میں نظر آتی ہیں۔ اگر یہ حال (جیسا کہ عام خیال ہے) پولوس کی کسی ساتھی نے لکھا ہے تو یسوع کے مر کر جی اُٹھنے کا اولین قصہ ان قصوں سے قطعی مختلف ہوگا جو اناجیل میں درج ہیں۔ پولوس مذہبًا یہودی تھا اور وہ شریعت موسوی سے بہ مقابلہ مصنفین اناجیل کے زیادہ واقف تھا۔ یہودیوں کا یوم السبت شنبہ ہے۔ اور سبت کے روز کام نہ کرنے کا حکم از روئے شریعت موسوی بعد غروب آفتاب ختم ہو جاتا ہے۔ پھر اتوار کی صبح تک انتظار کرنیکی کوئی ضرورت نہ تھی (جیسا کہ انجیل مرقس میں بیان کیا گیا ہے)

---


# "حریم" لکھنؤ

عورتوں، مردوں، بچوں اور بوڑھوں کے لئے یکساں مفید ہے۔ چندہ سالانہ (للعہ)

منیجر "حریم" لکھنؤ

# ستارہ

پیشانیٔ فلک پہ موتی چمک رہا ہے،
یا گیسوؤں کی تہ میں بندا جھلک رہا ہے!

یہ قطرۂ عرق ہے رخسارِ نیلگوں پر؟
یا آبِ بحرِ اخضر اُبھرا حباب بن کر؟

پیرِ فلک کے دل کا تو آبلہ نہیں ہے؟
یہ مہرِ ضو فگن کی خاتم کا اک نگیں ہے!

اک شمع جلوہ گستر ہے منزلِ عدم پہ
جو رہروانِ عقبیٰ کی بن گئی ہے رہبر!

کیا چشمِ فتنہ پرور بیدار ہو گئی ہے!
عشاق خستہ جاں کی غمخوار ہو گئی ہے!

زلفیں سنوارنے میں وحشت ہوئی کسی کو
گھبرا کے چھوڑ آیا ہے کوئی آرسی کو!

گیسو نچوڑے کس نے نیلم کی قاب میں یہ
آئے ابھی سے گوہر کیونکر سحاب میں یہ؟

سوسن کے پھول پر کیا کچھ پڑ گئی ہے شبنم
ہنسنے میں کھل رہے ہیں یا لب کسی کے پیہم؟

روزن ہوا کسی کے بند نقاب میں کیا؟
اُلجھن تھی شوخیوں کو ایسی حجاب میں کیا؟

یہ کشتۂ جفا کی ہے چشم آسماں پر!
آتا ہے اشک پیہم جس میں اُبھر اُبھر کر؟

یا ذرہ خاکِ مجنوں کا اڑ گیا ہوا پر!
رنگینیاں ہیں جس کی یہ چرخ کی فضا پر!

بزمِ فلک میں کوئی فانوس ضو فگن ہے
یا بحرِ نیلگوں میں رعنائیٔ چمن ہے!

جگنو ہے آسماں کے یہ صحنِ بوستاں کا
یا جلوہ ہے یہ شب کے گیسوئے زرفشاں کا!

یہ ہار کا کسی کے موتی بکھر کے ٹوٹا
یا ماہ کی قبا کا اک رہ گیا ہے بوٹا!

ہاں اے چمکنے والے آخر بتا تو کیا ہے؟
سنتا ہوں میں کہ عالم تو ایک دوسرا ہے!

ترغیب کچھ دلا تو مجھ کو بھی جستجو کی
تیری طرح ہو دنیا میری بھی آرزو کی

محمود اسرائیلی

# مقصدِ ہستی

جلوہ سازِ عالمِ ایجاد ہے نورِ وجود،
کوندتی پھرتی ہے ہر ذرہ میں اک برقِ حیات،
زندگی درمانِ دردِ دل بھی ہے آزار بھی،
پھر بھی رازِ مقصدِ ہستی کو پا سکتے نہیں،
کون سمجھے مقصدِ ہستی ہے ادنیٰ بچوں کا کیا،
کون سمجھائے؟ کوئی کیوں ناقص الاعضا ہوا،
کون سمجھائے؟ سمندر میں ہے کیوں اک مد و جزر،
کیوں چلا کرتی ہے صبحدم نسیمِ مشکبار،
خاتمہ پر دن کے کیوں ہوتی ہے تاریکی عیاں،
رات دن گردش میں ہیں کسواسطے شمس و قمر،
لہلہا اٹھتے ہیں کیوں بارش سے دشت و کوہسار،
خاک کا انبار ہو جاتا ہے کیونکر لالہ زار،
آخر اس تبدیلئ ہیئت کی کوئی حد بھی ہے،
پیکرِ ہر ذرہ دورِ ارتقاء میں ہے اسیر،
ایک حالت پر نظر آتا نہیں عالم کا رنگ،
گوہرِ مقصد ملا بھی گر تو کیا ہو جائے گا،
مقصدِ تخلیق کیا ہے حاصلِ ہستی ہے کیا،
نفس کی پستی سے دل رہتا ہے سرگرمِ فغاں،
پھر یہ راحت طالبِ راحت کو کیوں ملتی نہیں،
اصل یہ ہے اپنا نصب العین ہی کوئی نہیں،
جس کا مقصد روشنیٔ کعبۂ امید ہے،
روشنیٔ کعبۂ دل کیا ہے اک تسکینِ دل،
مقصدِ ہستی اسی بالیدگی کا نام ہے،

کائناتِ دہر میں ہستی کی ہے شانِ نمود،
جس کی ضو سے جگمگا اٹھتی ہے بزمِ کائنات،
زندگی کا مرحلہ آساں بھی ہے دشوار بھی،
دیکھتے سب کچھ ہیں لیکن کچھ بتا سکتے نہیں،
کھلتے ہی آنکھیں حباب آسا جو ہوتے ہیں فنا،
کورِ مادر زاد کی خلقت سے کیا ہے مدعا،
آسماں پر گھٹتا بڑھتا کیوں نظر آتا ہے بدر،
دوپہر کو خاک کا اٹھتا ہے کیوں اکثر غبار،
چشمۂ خورشید کیوں ہوتا ہے آنکھوں سے نہاں،
ہوتا ہے کیوں منقلب رنگِ جہاں شام و سحر،
دھوپ کی تیزی سے کیوں اٹھتا ہے پانی سے بخار،
کیوں خزاں کے بعد آتی ہے زمانے میں بہار،
زندگی کیا چیز ہے اس کا کوئی مقصد بھی ہے،
ہر عمل کے بعد اک ردِ عمل ہے ناگزیر،
پھر ہمیں ترغیب کیوں دیتی ہے جینے کی امنگ،
جب سمجھتے ہیں کہ یہ عالم فنا ہو جائے گا،
ارتقائے روح کیا ہے نفس کی پستی ہے کیا؟
ارتقائے روح سے ہوتی ہے راحت بے گماں،
دل کی پژمردہ کلی کس واسطے کھلتی نہیں؟
ورنہ ہوتا بار آور نخلِ حسرت بالیقیں،
اسکی خاکِ دل کا ذرہ ذرہ اک خورشید ہے،
جس سے ہو جاتے ہیں بالیدہ قوائے مضمحل،
اک سکونِ دائمی کا روح کو پیغام ہے،

(فرخ بنارسی)

# گریۂ خضر

زہر ہے میرے لئے یہ چشمۂ آبِ حیات،
کانپتی ہے جس کی تنہائی سے روحِ اضطراب،
جسکی موجیں ہیں حبابِ برفِ ظلمت میں نہاں،
کس قدر اسکی فضا میں آہ میں مغموم ہوں
کس قدر بے کیف ہے میرا چمن زارِ حیات
مجھ کو اس زندانِ یاس انگیز سے آزاد کر
رحم کے قابل ہوں میں اے نقش سازِ کائنات
میری ہستی سے کہیں بہتر ہے وہ ادنےٰ اشرر
ڈھونڈھ لیتا ہے اسی گرداب میں اپنا مزار
میں بہت بیتاب ہوں اب زیست کے آلام سے
میری ہستی سے کہیں بہتر ہیں گلہائے چمن،
میں ضعیف و ناتواں اور جوشِ آشوبِ دوام
آہ یہ ٹوٹی ہوئی کشتی، یہ سیلِ اضطرار
نغمہ ہائے یاس سے لبریز ہے میرا رباب،
سخت مضطر ہوں میں اس آغازِ بے انجام سے
مجھکو کھائے جا رہے ہیں، زاغِ صحرائے دوام
جامۂ ہستی کو میرے چُن رہا ہے انحطاط،
رحم کر کیا میری حالت رحم کے قابل نہیں
اس حیاتِ دائمی سے آہ میں بیزار ہوں
تو مجھے گر چاہتا ہے پابہ زنجیرِ حیات
جس کے دامن پر ہے ظلمت نقش آرائے ثبات
جسکے ساحل سے ہے لرزاں برقِ دامنِ انقلاب
جسکی خاموشی سے حیراں ہے سکوتِ آسماں
انبساطِ زندگی سے کس قدر محروم ہوں
گو یہاں کی ہر کلی ہے نغمہ آرائے نشاط
میرے دل کو یاسمینِ عیش سے آباد کر
بس مجھے اب اس حیاتِ دائمی سے دے نجات
جو بنا کر دامنِ ظلمت پہ اک تصویرِ زر
اس بحورِ اسودیں کا یہ حبابِ زر نگار
تو مجھے آزاد کر زنجیرِ صبح و شام سے
ہے بساطِ برق پہ جن کی حبابی انجمن
زہر ہے میرے لئے ہستی کا یہ بے کیف جام
یہ تموج، یہ ہوا، یہ بحرِ ناپیدا کنار
رحم کے قابل ہے میری داستانِ اضطراب
کرگسانِ وقت کی منقارِ خون آشام سے
پنجہ زن ہیں میرے سینہ پر سگانِ صبح و شام
دیکھ کر مجھکو گریزاں ہے عروسِ انبساط
مجھ سے غمگیں تر کوئی اس انجمن میں دل نہیں
توڑ دے اس تارِ ہستی کو بہت لاچار ہوں
رحم کر مجھ پہ بدل دے میری تعمیرِ حیات

تو مجھے تبدیل کردے، لالۂ گلزار میں
جو فروغ آرا ہے ہر سو گوشۂ اشجار میں

جس کے دل میں ہے شعاعِ مہر کی اُلفت کا داغ
جس کے سینہ میں ہے روشن حسن کا زریں چراغ

جو خزاں میں ہنس کے سو جاتا ہے ہم رنگِ شرار
جسکو عنابی بنا دے کر جگاتی ہے بہار

ہے جو اپنی مختصر سی زندگی میں شاد کام
جو لئے ہے باغ کی زریں فضا میں سرخ جام

اہلِ گلشن کی مصیبت میں ہے جسکا دل فگار
جس کو ہے بیمِ خزاں، جس کو ہے امیدِ بہار

مدتوں میں میں نے سمجھا ہے یہ اسرارِ حیات
ایک جذبِ باہمی سے ہے نظامِ کائنات

آہ جو قیدِ تعلق سے یہاں آزاد ہے،
جادۂ ہستی میں مثلِ نقشِ پا برباد ہے،

---

بزم گاہِ دہرِ فانی میں عروسِ صبح و شام
نغمۂ سازِ تغیر پہ ہے سرمست خرام

تازہ اس نغمہ سے ہے ہر وقت سودائے نظر
ہے یہ نیرنگِ شراری لذت آرائے نظر

اس نوائے سیمیائی سے ہے دلکش یہ جہاں
ہے ظہورِ رو غیب کے پردوں میں رقصِ لعبتاں

اس نوا سے قوس منظر ہے ردائے زندگی
محکم اس نیرنگ سے ہے یہ قوائے زندگی

دہر کو ہے مثلِ افعی ذوقِ تجدیدِ حیات
چاک کسوت میں ہے، کسوت سازِ ساری کائنات

پھول صحنِ باغ میں آتے رہے جاتے رہے
پی کے جامِ ارتقا اپنی نوا گاتے رہے

لے کے اک رنگِ تغیر "فطرتِ" قوسیں خمار"
دہر میں کرتی رہی اپنا طلسمی کاروبار

ہر طرف بدلی ہوئی ہے اب فضائے زندگی
ہے یہاں لیکن وہی آب و ہوائے زندگی

میں ہنوز اس بزم میں ساغر کشِ آغاز ہوں،
گوشِ دنیا جس سے ہے بیزار وہ آواز ہوں

یا مجھے اس دائمی زنجیر سے آزاد کر
یا علاجِ بیکسی ہائے دلِ ناشاد کر

---

دیکھتا ہوں بامِ گردوں پر طلسمِ صبح و شام
اس فضائے نیلگوں میں بارشِ نارنجِ خام

دیکھتا ہوں بزمِ گلشن میں شعاعِ آفتاب
چھیڑتی ہے شاہدانِ گل کو کر کے بے نقاب

مست ہو کر اس سے زنبورانِ خاکستر قبا
چھیڑ دیتے ہیں فضا میں ایک الہامی نوا،

دیکھتا ہوں کوہ و صحرا میں عروسِ نو بہار
رنگ کر پھیلا رہی ہے کسوتِ سیماب تار

یوں نظر آتا ہے ہر سو گوشۂ گلزار میں
قوس گویا سو رہی ہے حجلۂ زرتار میں

یا پرستانِ ارم کی کوئی روحِ حسن جو
آ گئی ہے اس جہاں میں لیکے سیلِ رنگ و بو

یا چمن میں دیکھ کر رعنائی سحر بہار،
یا دیارِ احمریں میں ہو کے توسیں پیرہن
دیکھتا ہوں چشم حسرت سے فضائے مرغزار
دیکھتا ہوں بزم گل میں مستئ رقص صبا،
یہ سمین و نسترن، یہ چشمۂ آب رواں
دیکھتا ہوں آسمانی انجمن میں ماہتاب،
بزم دنیا میں ہے یوں ہنگامہ زن اسکی نوا
کس لئے بے کیف ہے آخر یہ بزم سحر کار
کیوں طلسم رنگ و بو ہے بے مزا میرے لئے
کیوں جہان حسن میں ہوں اسقدر افسردہ دل،
جب دیا ہے تونے مجھ کو نور ایوان نظر
کیف آرا کیوں نہیں میرے لئے باغ و بہار
میری ہستی ہے یہاں مثل چراغ رہگزار
ہے جو اپنی آتشیں زنجیر میں ناشاد تر،
آدمی بہتر ہیں مجھ دلخستۂ آلام سے
نیش زن ہے آہ غم میرے دل ناشاد میں
کیوں مرے حکم رہائی سے تجھے انکار ہے
یا مجھے اب غرق کردے چشمۂ ظلمات میں

جم گئے ہیں رقص کی حالت میں کچھ رنگیں شرار
ہر طرف ہیں لعبتان باغ جنت خندہ زن
شام کے کیف طلسمی میں سکوت آبشار
طائروں کے نغمہ سے لبریز آغوش فضا
دیکھتا ہوں بزم انجم میں خرام کہکشاں
گا رہا ہے جوش مستی میں لئے سیمیں رباب
جسطرح فرش ہوا پر پائے نکہت کی صدا
اس کشش سے میری فطرت کیوں نہیں سرمایہ دار
کیوں ہے ساز دہر محروم نوا میرے لئے
آہ! کیوں محروم لذت ہے یہ نقش آب و گل
کیوں گل نظارہ سے خالی ہے دامان نظر
کس لئے بے نغمہ ہے مجھ کو یہ ساز جوئبار
مضطرب سیل ہوا سے ہے سدا جس کا شرار
سعی آزادی میں جو پائندہ تر برباد تر
مر کے پا جاتے ہیں جو فرصت غم ایام سے
پرفشاں ہی شمع ہستی رہگزار یاد میں
سچ بتا یہ امر کیا تیرے لئے دشوار ہے
یا دکھا دے عیش ہستی کی جھلک اس رات میں

شمیمی

# غزل مشتاق الہ آبادی

جب آشنائے لذت آزار ہم ہوئے
اک درد لادوا کے طلبگار ہم ہوئے

کیفیت نوازش پنہاں نہ چھپ سکی
ساغر وہ بھر رہے تھے کہ سرشار ہم ہوئے

ہمت شکن تھی حضرت موسیٰ کی داستاں
مشتاق! پھر بھی طالب دیدار ہم ہوئے

# "نمودِ صبح"

ہوا خالی فلک وقتِ نمودِ صبح - اختر سے
یہ موتی توڑ ڈالے کس نے نیلی فام چادر سے

نقابِ شب اُٹھا کر نیّرِ اعظم نے دنیا کو
بنایا مطلعِ انوار اپنے روئے انور سے

اذانیں دی مسجدوں میں چونک کر اک اک مؤذن نے
اُٹھی ناقوس کی آواز بھی ایک ایک مندر سے

کھلے ہیں نافہ نافہ کیا درِ گلزارِ عالم پر
بھرے ہیں طبلہ طبلہ غنچہ و گل مشکِ عنبر سے

نہ بھولا ہے نہ بھولے گا، نہ بھولا ہے نہ بھولیگا
نسیمِ صبح کا اٹھکیلیاں کرنا گلِ تر سے

اُدھر شاخیں ملیں شاخوں میں تو نکو ہوئی جنبش
ادھر بھچولوں کے دامن بھر گئے شبنم کے گوہر سے

عروسِ سُرخ دیبائے شفق کا صدقہ دیدیگے
بھری ہیں اپنی اپنی مٹھیاں غنچوں نے بھی زر سے

ہزارِ خوش بیاں ہی کیا خطیبِ تر زباں کوئی
صدائے سوحِ گش آشنائی گلبن کے منبر سے

ہوئی فریادِ "کوکو" ناگہاں شمشاد پر پیدا
یکایک نالۂ "حق سِرّہٗ" اٹھے صنوبر سے

کسی گُردِ نے چھیڑا ہے عجب شوخی سے ارگن کو
گلستاں گونج اٹھا ہے کیا پرندانِ نواگر سے

کبھی کچھ ہے کبھی کچھ ہے کبھی کچھ ہے کبھی کچھ ہے
کھلی ہے شانِ حکمت خلق پر قدرت کے منظر سے

ہوا روپوش وقتِ صبح بھی مانندِ شبِ آخر
چمک اُٹھا زمانہ آفتابِ چرخِ اخضر سے

قیامِ رنگِ دنیا ہے، حبابِ بحر، ریحانی
ٹھہرتا ہے زیادہ کب سماں کوئی گھڑی بھر سے

ریحانی (اعظم گڑھی)

# غزل شادؔ صابری

منفعل ہیں وقتِ آخر جذبۂ کامل سے ہم
عمر بھر راحت طلب ہیں ہستیٔ باطل سے ہم

داغِ حسرت لیکے نکلے تھے تری محفل سے ہم
کیوں اُلجھتے خار ہو کر دامنِ منزل سے ہم

انتظامِ کائناتِ دل اگر برہم ہوا
آرزو پیدا کرینگے سعیٔ لاحاصل سے ہم

ہم مٹے تو نقشِ عالم بھی مٹے گا ساتھ ساتھ
کھینچ لیں گے ساری دنیا جذبۂ کامل سے ہم

قلزمِ ہستی میں طوفانِ قضا آئے نہ کیوں
موج کو روکے ہوئے ہیں کیا لبِ ساحل سے ہم